Nemrah Ahmed: Official

نمل
(نمرہ احمد)

قسط نمبر: 18

''بھاری ہے وہ سر... جو پہنتا ہے تاج!''

میری رعایا کے ہزاروں لوگ
کیسے اس گھڑی سو رہے ہوں گے!
اے نیند، اے میٹھی نیند!
قدرت کی نرم طبیب!
کتنا ڈرتا ہوں میں تم سے
کہ تم مزید اب میری آنکھوں کو بوجھل کر کے
میری حسیات کو نسیان میں نہیں دھکیلتی!
اے سکون کی دیوی، کیونکر تم رہتی ہو
چھوٹی بستیوں کے گندے میلے بستروں میں،
مگر شاہی پلنگ کو چھوڑ جاتی ہو؟
اے نیند، تم اس گستاخ گھڑی کسی بحری جہاز پہ
بھیگے ہوئے لڑکے پہ تو مہربان ہو سکتی ہو
مگر اس پر سکون اور خاموش رات میں،
ہر آسائش اور نعمت ہونے کے باوجود،
ایک بادشاہ کے سپرد ہونے سے انکاری ہو؟
مگر اس لیے کہ
رہتا ہے بھاری وہ سر،
جو پہنتا ہے تاج!

Nemrah Ahmed: Official

(ولیم شیکسپیئر کے ڈرامے کنگ ہنری فور سے ''کنگ ہنری'' کا مکالمہ)

''خاور.... کرنل خاور نے قتل کیا ہے تمہارے باپ کو!'' جہاں جواہرات ششدر رہ گئی وہیں ہاشم کے کان کی لوئیں سرخ ہوئیں۔ آنکھوں میں برہمی عود آئی۔

''تم خاور پہ اتنا بڑا الزام کیسے لگا سکتے ہو؟ ایک منٹ!'' پتلیاں سکیڑے نفی میں سر ہلاتے وہ بولا تھا۔ ''یہ کیا تمہاری کوئی نئی گیم ہے؟ تم مجھے اور خاور کو توڑنا چاہتے ہو؟ جانتے ہو نا کہ وہ میرا خاص آدمی ہے!''

''میں صرف تمہیں اذیت دینا چاہتا ہوں، اور اپنی بات ثابت کرنے کی ضرورت مجھے نہیں ہے۔ تحقیق تم نے خود کرنی ہے۔''

جواہرات سفید چہرے کے ساتھ نڈھال سی واپس بیٹھی۔

''کیا بکواس ہے یہ سعدی! پیکج، پیسے، میرے لیے کام، وہ سب جھوٹ تھے جن کے بہانے تم نے مجھے یہاں بلایا!'' ہاشم نے بےزار سا سر جھٹکا۔ ''اور میرے باپ کی موت صرف ایک حادثہ تھی۔ کیا ثبوت ہے تمہارے پاس کہ انہیں قتل کیا گیا تھا' ہاں؟''

''گواہ ہے میرے پاس!'' سعدی نے جواہرات کو دیکھتے ہوئے سر کو ہلکا سا خم دیا۔ وہ جو دم بخود بیٹھی تھی' چونکی۔ ''سعدی تم یہ کیا....''

''مسز کاردار ہیں گواہ! کیوں مسز کاردار؟ کیا آپ نے مجھے نہیں بتایا تھا، دو سال پہلے کہ آپ کو شک ہے خاور پہ؟''

ہاشم ایک دم بالکل ٹھہر گیا۔ جواہرات کا سانس تک رک گیا۔

''ممی! آپ کو خاور پہ شک تھا؟'' اس کی ٹون بدلی۔ چونک کر ماں کو دیکھنے لگا تھا۔

''آرام سے ہاشم۔ تم دیکھ نہیں رہے' وہ خوفزدہ ہیں۔'' سعدی نے نرمی سے مداخلت کی۔ ''میں بتاتا ہوں' تمہارے والد کی موت کے کچھ دن بعد' جب میں مسز کاردار کی خیریت پتہ کرنے آیا تو انہوں نے مجھ سے اپنے خدشے کا اظہار کیا تھا۔ ان کو شک تھا کہ انہوں نے کھڑکی سے باہر کوئی سایہ سا باتھ روم سے نکل کر اندھیرے میں غائب ہوتے دیکھا تھا۔ انہوں نے کہا' وہ ان کے سب سے وفادار ملازم کا سایہ لگتا تھا مگر وہ پریقین نہیں تھیں۔ میں نے بھی ان کی بات کو سنجیدگی سے نہیں لیا تھا لیکن.... قید خانہ انسان کو غور و فکر کے لمبے مواقع دیتا ہے۔'' وہ کہے جا رہا تھا مگر ہاشم ٹھیک سے سن بھی نہیں رہا تھا۔ وہ ششدر بیٹھی ماں کے پاس آیا' اور سنجیدگی سے پوچھنے لگا۔

''ممی یہ کیا کہہ رہا ہے؟ کیا واقعی آپ نے کچھ دیکھا تھا؟''

جواہرات نے سفید چہرہ اٹھایا۔ ایک نظر سعدی پہ ڈالی۔ گردن کی زنجیر تنگ ہوئی۔ وہ مسکرا رہا تھا۔ یہی وقت تھا جب وہ سر اٹھا کر ان تمام الزامات سے انکار کر سکتی تھی' اور اس متوقع بلیک میل سے بچ سکتی تھی' مگر سر اٹھانے کے لئے کورے اعمال نامے چاہیے ہوتے ہیں۔

اس نے گلابی' نم پڑتی آنکھوں سے ہاشم کو دیکھا۔ وہ فکرمندی' اور برہمی کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ اس کی طرف متوجہ تھا۔

''وہ... صرف ایک سایہ تھا' مجھے نہیں یاد میں نے خاور کا نام لیا ہو۔'' آنسوؤں سے اس کا گلا رندھا۔ ہاشم کے چہرے پہ جیسے کسی نے طمانچہ دے مارا تھا۔

''تو مجھے کیوں نہیں بتایا؟'' زور سے چلاتے ہوئے اس نے بوٹ سے میز کو ٹھوکر ماری۔ میز چائے کے کپس سمیت الٹ گئی۔ جہاں سعدی کی مسکراہٹ تھمی' دل زور سے دھڑ کا' وہاں کچن میں کھڑی میری بھی کانپ گئی۔

''میں... میں بوڑھی ہو رہی ہوں' شاید وہ نظروں کا دھوکہ ہو' میں تمہیں پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی۔'' جواہرات ٹوٹے پھوٹے لفظ بول رہی تھی۔ بار بار انگلیوں کے پوروں سے چہرہ تھپتھپاتی۔ ''میں تو اس بات کو بھول بھال گئی تھی۔'' ایک ملامتی' بھیگی نظر سعدی پہ ڈالی۔ اس نے پلکیں بند کر کے سر کو خم دیا۔ گردن کی زنجیر اب کس گئی تھی۔ ہاشم اٹھ کھڑا ہوا۔ ''میں نہیں مان سکتا۔ خاور میرا وفادار ہے۔ اس کا ڈیڈ سے کوئی جھگڑا نہیں تھا۔'' وہ اب نفی میں سر ہلاتے اب ادھر ادھر ٹہلتے خود کو کمپوز کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''ہو سکتا ہے میں جھوٹ بول رہا ہوں' یا میرا اندازہ غلط ہو۔ تم پوسٹ مارٹم کرنے والے ڈاکٹر سے پوچھ لو۔'' ہاشم گھوم کر اس کے پاس آیا' کالر سے پکڑ کر اسے کھینچ کر اٹھایا اور اپنے مقابل لا کر' سرخ آنکھوں سے اسے دیکھتے' وہ غرایا تھا۔

''اگر یہ بات جھوٹ نکلی تو میں تمہیں وہ سزا دوں گا کہ دنیا دیکھے گی۔ سمجھے تم!'' جھٹکے سے کالر چھوڑا۔

''تمہارے باپ کو قتل کیا گیا ہے ہاشم۔ اگر خاور نے نہیں تو کسی اور نے۔ کس نے کیا ہے' یہ اب تمہیں خود کھوجنا ہے۔''

ہاشم ایک تیز مگر مضطرب سی نظر اس پہ ڈال کر ''چلیں ممی!'' کہتا دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتا' وہ غصے میں لگتا تھا' اور شدید بے سکون بھی۔ جواہرات بدقت اپنے قدموں پہ کھڑی ہوئی۔ ملامتی نظروں سے سعدی کو دیکھا۔

Nemrah Ahmed: Official

''اتنی اذیت کیوں دے رہے ہو مجھے اور میرے بیٹے کو؟ کیا ثبوت ہے تمہارے پاس کہ خاور نے یہ سب کیا ہے؟'' مضبوط بنانے کی کوشش میں کمزور آواز مزید کپکپائی۔

''آپ خوفزدہ نہ ہوں۔ جب تک آپ کے بیٹے آپ کے ساتھ ہیں' کوئی آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔'' اس کے الفاظ پہ وہ اندر تک کانپ گئی۔

''اگر یہ جھوٹ نکلا تو میں تمہارا بہت برا حشر کروں گا سعدی!'' دروازے پہ کھڑا ہاشم انگلی اٹھا کر غصے سے تنبیہ کر رہا تھا۔ سعدی نے سینے پہ ہاتھ رکھے' سر کو خم دیا۔ ان کے جانے کے بعد وہ جیسے ہی کمرے میں آیا' میری پیچھے آئی۔

''یہ بہت برا آئیڈیا تھا۔ سعدی۔'' وہ شدید پریشان تھی۔ ''جب خاور کے خلاف کوئی ثبوت ہے ہی نہیں تو وہ کیسے مجرم ثابت ہو گا؟''

وہ زخمی سا مسکرایا۔ ''ثبوت مجھے نہیں ڈھونڈنے۔ ثبوت مسز کاردار خود پیدا کریں گی' کیونکہ ہاشم ایک بات پہ یقین کر چکا ہے' کہ اس کا باپ طبعی موت نہیں مرا۔ اب الزام کس کے سر آئے گا؟ یہ مسز کاردار نے طے کرنا ہے۔ اب وہی ثابت کریں گی کہ خاور اصل مجرم ہے!''

''مگر اس سے ہمیں کیا فائدہ ہو گا؟'' یہ سوال میری کو اب بھی الجھا رہا تھا۔

''دیکھتی جاؤ!'' وہ گہری سانس لے کر بیڈ پہ بیٹھ گیا اور میری فکرمندی باہر نکل گئی۔ وہ شدید ناخوش تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

تو میرا حوصلہ تو دیکھ، داد تو دے کہ اب

مجھے شوقِ کمال بھی نہیں، خوفِ زوال بھی نہیں

لمحے بھر کے لیے ایک ہفتہ پیچھے جاتے ہیں۔

سنہری نرم گرم دھوپ جیل کے صحن میں بکھری تھی۔ فارس غازی سفید کرتے میں ملبوس' ایک سپاہی کی معیت میں چلتا آ رہا تھا۔ لگ بھگ چھے ساتھ ماہ بعد وہ اس جیل میں دوبارہ داخل ہوا تھا۔ راہداری پرانی اور گندی میلی تھی۔ دیوار میں سلاخیں لگا کر دروازے بنائے گئے تھے۔ جگہ جگہ سطور، شعر اور نام دیواروں پہ لکھے تھے۔ وہ تنے ابرو' اٹھی گردن اور بے نیازی کے ساتھ قدم اٹھا رہا تھا۔ راستے میں چند جگہوں پہ اسے سلام کیا گیا۔ جس کا اس نے کبھی سر کے خم اور کبھی ماتھے کو ہاتھ سے چھو کر اسی بے نیازی مگر اپنائیت سے جواب دیا اور آگے چلتا گیا۔

وہ ایک طویل کھلا اور روشن سا کمرہ تھا۔ دونوں مخالف دیواروں کے ساتھ دو قطاروں میں میٹرس لگے تھے۔ ہر میٹرس کے اوپر دیوار پہ کھونٹی پہ متعلقہ قیدی کے کپڑے' سوئیٹر وغیرہ لٹک رہے تھے۔ کوئی بیٹھا تھا' کوئی گروہ کی صورت کھڑا باتیں کر رہا تھا۔ وہ اندر داخل ہوا تو کسی کی نگاہ ادھر پڑی' کسی نے اس کا نام لیا۔ گردنیں مڑیں۔ خاموشی ہر سو پھیلی۔ بہت سے سلام بلند ہوئے۔ وہ سر کے خم اور بڑبڑاہٹ سے جواب دیتا کونے تک آیا۔ یہ میٹرس اس کا تھا۔ وہ نیچے بیٹھا۔ سر جھکا کر جوتے اتارنے لگا۔

''تو ادھر دوبارہ کیسے غازی؟'' کسی نے متفکر سا پکارا تھا۔

''مرڈر!'' دیوار سے ٹیک لگائے' اکڑوں بیٹھ گیا۔ اور سامنے خلا میں دیکھنے لگا۔ چند مزید باتیں سنائی دیں پھر وہ سرگوشیوں میں بدل گئیں۔ وہ اب نگاہ گھما کر ان در و دیوار کا جائزہ لے رہا تھا۔ پھر آنکھیں بند کیں۔

جب وہ پہلی دفعہ جیل میں آیا تھا تب وہ ایسا نہیں تھا۔ تب کچھ بھی ایسا نہ تھا۔ مگر اس نے ذہن سے ان دنوں کو جھٹک دیا۔ اور گردن موڑ کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔ قیدی ابھی تک مڑ مڑ کر اسے دیکھ رہے تھے۔

پھر ایک گروہ نے کسی کو راستہ دیا اور ایک شخص ان کے پیچھے سے نکل کر سامنے آتا دکھائی دیا۔ اس کی داڑھی اور مونچھیں سکھوں کی مانند تھیں' آنکھوں میں سرمہ اور چہرے پہ اپنائیت بھری مسکراہٹ تھی۔ اسے دیکھ کر فارس اٹھ کھڑا ہوا۔

''غازی!'' اس نے مصافحے کی بجائے پنجہ سا بڑھایا جس کے ساتھ فارس نے پنجہ ملا کر جکڑا' اور پھر اس سے گلے ملا۔ علیحدہ ہو کر اس نے مسکرا کر فارس کو دیکھتے اس کا شانہ تھپکا۔

''اداس نہ ہو یار۔ یہ بھی تیرا اپنا ہی گھر ہے۔''

فارس نے افسردہ مسکراہٹ کے ساتھ ہلکے سے سر جھٹکا۔ ''نہ یہ گھر ہے' نہ اپنا ہے۔''

''چل آ۔ تجھے کچھ نئے دوستوں سے ملواتا ہوں۔'' وہ اس کو دوستانہ انداز میں شانے سے تھامے ساتھ لے کر آگے بڑھ گیا۔

اس کا نام محمد جلال الدین آتش تھا' مگر یہاں اسے صرف ''آتش'' کہا جاتا تھا۔ اس کی آنکھ کے قریب ایک گہرے زخم کا پرانا نشان تھا۔ چپ چاپ اس کے ساتھ چلتے فارس نے ایک خاموش نظر اس کی آنکھ کے نشان پہ ڈالی تھی۔

Nemrah Ahmed Official

یہ زخم اسے فارس نے ہی دیا تھا۔ کسی اور زمانے' کسی اور دنیا میں۔

اس منظر کو سات دن بیت چکے تھے۔ وکیلِ دفاع کو دیے گئے سات دن کی مہلت آج تمام ہوئی تھی۔ سو کل اسے پھر سے ''حوالات'' (گاڑی) میں ڈال کر عدالت لے جایا جانا تھا۔ وہ آج بھی اتنا ہی سنجیدہ اور خاموش تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سبھی پریاں محبت کی جفا نے مار ڈالی ہیں

ایک آسیب آیا تھا، یہاں گلفام سے پہلے

سعدی کے پاس سے آ کر ہاشم اپنے کمرے میں دائیں بائیں ٹہل رہا تھا' اور جواہرات مضطرب سی کرسی پہ بیٹھی تھی۔ وہ صرف ڈسٹرب تھا' پریشان' چونکا ہوا تھا' مگر جواہرات.... اس کا چہرہ سفید اور جسم بے جان تھا۔ وہ بار بار لب کھولتی لیکن پھر ہاشم کے تیور دیکھ کر چپ ہو جاتی۔

ہاشم کو یہیں چھوڑ کر، نچلے فلور پہ جاؤ تو کمروں کے بند دروازے راہداری کے دونوں طرف قطار سے لگے تھے۔ دفعتاً ایک دروازہ کھول کر آبدار نکلی اور تیزی سے لفٹ کی طرف بڑھ گئی۔ لفٹ نیچے اتری تو وہ کچن میں آئی اور وہاں سے سیدھی ہیڈ شیف کے سر پہ پہنچی۔

''مجھے نیچے جانا ہے۔'' مقامی بھاشا میں سنجیدگی سے کہا۔ شیف نے تذبذب سے اسے دیکھا۔ ''مجھے اجازت نہیں ہے مادام۔ فصیح صاحب کی غیر موجودگی میں....''

اس نے اسٹینڈ سے ایک تیز چھرا اٹھایا اور اس کی نوک' شیف کے کاؤنٹر پہ رکھے ہاتھ کی انگلیوں کے درمیانی خلا میں گاڑھی' پھر تیکھی نظروں سے اس کا یکدم شل ہوتا چہرہ دیکھا۔ ''تم مجھے بتاؤ' اگر میں تمہیں قتل کر دوں تو کیا میں جیل جاؤں گی؟ تمہیں نہیں لگتا کہ میرے بابا مجھے فوراً بچا لیں گے؟ ہاں؟'' شیف نے آہستہ سے اپنا ہاتھ نکال لیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ سعدی کے کمرے کے باہر کھڑی تھی۔ دستک دے کر دروازہ کھولا تو وہ ہنوز مضطرب سا' مگر سوچ میں گم بیڈ پہ بیٹھا تھا۔ اسے دیکھ کر چونکا۔ پھر کھڑا ہوا۔ ''میں نے وکیل کا نام بتا دیا ہے ہاشم کو۔ اب تمہیں یہاں آنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

وہ اندر آئی' دروازہ بند کیا' اور بند دروازے سے پشت لگائے' چمکدار آنکھوں اور مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھا۔ ''ہامان کون ہے؟'' سعدی کی گردن میں گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی۔ مگر آنکھوں میں سختی در آئی۔

''ماموں نے تمہارے ذریعے پیغام بھیجا' انہیں تم پہ اعتبار تھا' مجھے نہیں ہے۔ اس لئے بہتر ہے کہ تم سب بھول جاؤ۔''

''کون ہے ہامان اور کیا کرو گے تم اس کے ساتھ؟'' وہ پلکیں جھپکا کر' شیطانی معصومیت سے پوچھ رہی تھی۔

''کم از کم تمہاری طرح میں لوگوں کو سرِ راہ پٹوایا نہیں کرتا۔''

آبی کی مسکراہٹ تھمی۔ ابرو تعجب سے بھینچے۔

''تم نے اس روز بھی مجھ سے یہی بات کہی۔ کتنے جج مینٹل انسان ہو تم۔ تم نے خود سے فرض کر لیا کہ نوشیرواں کو پٹوانے میں میرا ہاتھ تھا!''

''محترمہ آپ کے منگیتر نے خود نوشیرواں کو بتایا تھا کہ وہ آپ کا منگیتر ہے اور یہ کہ اگر اس نے دوبارہ آپ کو تنگ کیا تو اچھا نہیں ہو گا۔اس سے بھی انکار کر دیں۔اسی لئے میں نے کہا نا' مجھے آپ پہ اعتبار نہیں ہے۔''

سوگوار کمرے میں ایک دم تناؤ سا در آیا۔آبی لمحے بھر کو بالکل سُن رہ گئی۔متحیر۔مبہوت۔وہ جو بہت کچھ کہنے کے ارادے سے آئی تھی' سب بھول کر باہر کو لپکی۔پھولے تنفس اور سرخ چہرے کے ساتھ تیز تیز اوپر آئی تھی۔ایک دروازے کے سامنے رک کر بیل بجائی۔پھر بند مٹھی سے اسے بجایا۔زور سے۔جواب موصول نہ ہوا تو اونچا سا بولی۔''آبدار ہوں۔دروازہ کھولو!''

اگلے ہی لمحے دروازہ اندر کو کھلا اور ہاشم کار دار سامنے نظر آیا۔کوٹ اور ٹائی ندارد' آستین کہنیوں تک موڑے وہ ڈسٹرب لگ رہا تھا۔ پس منظر میں کرسی پہ بیٹھی جواہرات دکھائی دے رہی تھی۔

''کیسی ہو، ریڈ؟'' جبراً مسکرانے کی کوشش کی۔

''مجھے تم سے بات کرنی ہے۔'' وہ برہم نگاہیں اس پہ جمائے سینے پہ بازو لپیٹے ہوئے تھی۔

''ابھی میں ....بات نہیں کر سکتا۔بعد میں ....'' وہ واقعی اس وقت بات کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔

''جب نوشیرواں مجھے یونیورسٹی میں تنگ کر رہا تھا تو میں نے تمہیں کال کی تھی۔صرف تمہیں۔اور تم نے میری شکایت کے جواب میں کہا تھا کہ تم سنبھال لو گے۔کیسے سنبھالا تھا تم نے؟''

ہاشم دروازہ بند کر کے راہداری میں آ کھڑا ہوا۔بولا کچھ نہیں۔بس اسے دیکھتا رہا۔

''ایک دن اچانک سے اس نے مجھے کالز کرنا چھوڑ دیا۔دوبارہ کبھی میرے راستے میں نہیں آیا۔میں نے کبھی نہیں پوچھا کہ کیوں؟''

''آبی!''

''تم نے اپنے ہی بھائی کو پٹوایا' ہاشم؟'' وہ بے یقین تھی۔

''کس نے بتایا تمہیں؟ تمہارے نئے بیسٹ فرینڈ نے؟'' ہلکا سا طنز کیا۔

''ہاشم! تم نے میرے کسی منگیتر کا کہہ کر اس کو پٹوایا؟ تم ایسا کیسے کر سکتے ہو؟''

''سنو آبدار!'' اب کے وہ سختی سے بولا تھا۔''میرا باپ میرا آئیڈیل تھا۔'' کرب سے لمحے بھر کو آنکھیں بند کیں۔''جب میں ہائی اسکول میں تھا تو میں کچھ غلط لوگوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے لگا تھا۔میرے باپ نے مجھے ان کے ساتھ پولیس سے پکڑوایا اور تھانے میں ایک رات کے لیے بند کروایا۔میں اس کے بعد کبھی ان لڑکوں سے نہیں ملا۔میری پڑھائی ٹھیک ہو گئی۔جیسے میرے باپ نے مجھے ہینڈل کیا تھا' میں نے شیرو کو بھی ویسے ہی ہینڈل کیا اور وہ بھی ٹھیک ہو گیا۔وہ میرا بھائی ہے' اس کی حفاظت مجھے کرنی ہے' کیسے، یہ صرف میں جانتا ہوں۔گڈ نائٹ!'' ایک اچٹتی نظر اس پہ ڈال کر، اس کے منہ پہ دروازہ بند کر کے اندر چلا گیا۔آبدار ابھی تک بے یقین کھڑی تھی۔

جواہرات اسے آتے دیکھ کر پریشانی سے اٹھی۔''ہاشم' شاید ہم خواہ مخواہ سعدی کی بات کو سیریس....''

Nemrah Ahmed: Official

Nemrah Ahmed: Official

"میرا باپ قتل ہوا ہے ممی!" وہ سرخ آنکھوں سے اسے دیکھتا قریب آیا۔ "مجھے اپنے باپ کی نعش دیکھ کر ہی سمجھ جانا چاہیے تھا' مگر میں نے ڈاکٹر پہ بھروسہ کیا۔ سعدی ٹھیک کہتا ہے' میرا تکبر مجھے دھوکہ دے گیا۔ میرا ناقابلِ تسخیر باپ کیسے قتل ہو سکتا ہے' میں یہ ماننے کے لئے تیار نہ تھا۔ ورنہ ہر چیز میری آنکھوں کے سامنے تھی۔" نفی میں سر ہلاتے' وہ نچڑی رنگت کے ساتھ کرسی پہ بیٹھا۔ جواہرات مضطرب سی کھڑی رہی۔

"کیا خاور ایسا کر سکتا ہے؟"

ہاشم نے بند دروازے کو دیکھا جس کے پار کچھ دیر پہلے آبی کھڑی تھی۔

"ممی خاور بہت کچھ کر سکتا ہے۔ مجھے بتائے بغیر۔" پھر دونوں ہاتھوں سے اپنی آنکھیں مسلیں۔ "مگر وہ میرے باپ کو نہیں مار سکتا۔"

"ہمیں اس ڈاکٹر سے بات کرنی چاہیے۔" جواہرات نے فوراً موبائل اٹھایا' مگر اگلے ہی لمحے وہ ششدر رہ گئی جب ہاشم نے سختی سے موبائل اس کے ہاتھ سے چھینا۔

"کوئی کسی سے بات نہیں کرے گا۔ صرف میں بات کروں گا اس سے۔ آپ بھی کسی کو کال نہیں کریں گی۔" انگلی اٹھا کر تنبیہ کی۔ جواہرات کا سانس رک گیا۔ "میں تمہاری ماں ہوں ہاشم!"

"اور جو مرا تھا' وہ میرا باپ تھا۔ جو بات آپ نے سعدی کو بتائی' وہ مجھے نہیں بتائی ممی۔ اس وقت مجھے کسی پہ بھروسہ نہیں ہے۔" گلابی آنکھوں کے ساتھ وہ دکھ سے کہتا اٹھا۔ موبائل اس کے ہاتھ میں تھا۔ "آپ پہ بھی نہیں۔" اور باہر کی طرف بڑھ گیا۔ جواہرات کی آنکھ سے ایک آنسو نکلا اور چہرے پہ لڑھک گیا۔ ہاشم زور سے دروازہ بند کر کے جا چکا تھا۔ وہ بالکل اکیلی رہ گئی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

روزِ قیامت ہے میرا ہر روزِ حیات

حشر ہوں، اور خود اپنے اندر بپا ہوں

اسلام آباد میں اگلی صبح سرد اور نم سی محسوس ہوتی تھی۔ سورج بادلوں کے پیچھے چھپا تھا۔ اور ان بادلوں کا رنگ گناہوں کی طرح سیاہ تھا' گویا سارے شہر پہ اندھیرا سا چھایا ہو۔ ایسے میں کچہری کی سفید عمارت نکھری نکھری سی کھڑی تھی اور ایک وسیع اور بلند ہال کے اندر دیکھو تو راہداریوں کے جہنمی شور سے بے نیاز' وہاں عدالتی کارروائی جاری تھی۔ بلند چبوترے پہ اپنی اونچی کرسی پہ براجمان سیشن جج جناب جسٹس فخر الزماں صاحب' ناک پہ عینک جمائے' ہاتھ میں پکڑے کاغذ سے پڑھ کر کہہ رہے تھے۔

"فارس طہیر غازی! کیا آپ نے 12 اگست کی صبح ناظم فاروق کے ساتھ مل کر قمر الدین چودھری کو اغوا کیا' اور....."

سامنے کٹہرے میں فارس گردن تنے' ریلنگ پہ ہاتھ رکھے کھڑا' سنجیدگی سے سن رہا تھا۔ صاف ستھرے سفید کرتے میں ملبوس' تازہ بنی شیو اور تازہ کٹوائے بالوں کے ساتھ وہ ہونٹوں کے زخم کے باوجود تندرست و توانا لگ رہا تھا۔

چبوترے سے نیچے اترو تو سامنے دونوں اطراف میں میزیں رکھی تھیں۔ ایک طرف سرکاری پراسیکیوٹر بیٹھا تھا' ساتھ میں دو وکلاء اور بھی

#NAO www.facebook.com/nemrah.ahmed.official

تھے۔ دوسری میز کے پیچھے کرسی پہ ٹیک لگائے، قلم انگلیوں میں گھماتی زمر بیٹھی سوچتی نگاہوں سے سامنے دیکھ رہی تھی۔ ادھر جج صاحب فردِ جرم پڑھ رہے تھے۔

''اور لاش کو کار میں ڈالا اور ناظم فاروق کے ساتھ اسے مقتول کے گھر لے آئے، پھر اسے گھر کے باہر پھینکا اور اسی کار میں فرار ہو گئے۔'' جج نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔ ''کیا آپ ان جرائم کا اقرار کرتے ہیں؟''

''نہیں یور آنر۔ میں بے قصور ہوں۔ میں نے یہ اغوا اور قتل نہیں کیا۔'' زمر نے نگاہ سامنے رکھے کاغذ پہ ڈالی۔ اس پہ یہی سوال و جواب لکھے پڑے تھے۔ روٹین کی کارروائی جاری تھی۔

''کیا آپ کو 13 اکتوبر کی رات آپ کے گھر سے گرفتار کیا گیا اور آپ سے مذکورہ پستول برآمد کیا گیا؟''

''نہیں یور آنر۔ میری گرفتاری کے وقت میرے پاس میری گن نہیں تھی۔ جس پستول کی برآمدگی لکھی گئی ہے، وہ پولیس نے میرے اوپر ڈالی ہے، وہ پستول نہ میرا ہے، نہ میرے پاس سے ملا ہے۔'' سنجیدگی سے وہ سوالوں کے جواب دے رہا تھا۔

''آپ کس طرح پلیڈ کریں گے؟''

"I plead innocent." وہ اسی میکانکی انداز میں بولا تھا۔

زمر نے آخری سوال پہ نظر دوڑائی جو کاغذ پہ لکھا تھا۔ ایک سطر کا سوال (کیا آپ اپنے خلاف گواہ کے طور پہ پیش ہونا چاہیں گے؟) اور اس کا ایک لفظ ''نہیں'' میں جواب۔ جج صاحب بھی اب وہی پوچھ رہے تھے۔

''فارس طہیر غازی' کیا آپ سی آر پی سی 340 کے تحت اپنے خلاف گواہ کے طور پہ پیش ہونا چاہیں گے؟'' زمر ہونٹوں میں قلم چباتے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ لحظے بھر کو رکا۔ پھر اسی تنی گردن سے بولا۔

''جی۔ یور آنر!''

زمر بجلی کی تیزی سے کھڑی ہوئی۔ ''یور آنر' مجھے اپنے کلائنٹ سے بات کرنی ہے۔'' جج نے ایک گہری نظر فارس پہ ڈالی' دوسری زمر پہ۔

''آپ اس سوال کا جواب دینے سے پہلے اپنے وکیل سے کنسلٹ کر لیجیے۔'' گویا تنبیہ کی۔ مگر وہ ویسا ہی مطمئن کھڑا رہا۔ ''میں فیصلہ کر چکا ہوں۔ یور آنر۔ میں اپنا گواہ بننے کو تیار ہوں۔ کیونکہ میں بے گناہ ہوں۔'' اور ایک اچٹتی نظر نیچے کھڑی زمر پہ ڈالی جو ایک دم پریشان سی ہو گئی تھی۔

(جب عدالت میں کسی شخص کے خلاف کسی الزام پہ مقدمہ چل رہا ہوتا ہے تو ملزم کے پاس خاموش رہنے کا حق ہوتا ہے.....کوئی اس سے عدالت میں گواہی دینے یعنی اعترافِ جرم کرنے کے لیے نہیں بلا سکتا.....ہاں اگر وہ خود چاہے تو اپنا گواہ خود بننے کے لیے خود کو پیش کر سکتا ہے.....اس صورت میں پراسیکیوٹر کو اس سے سوال کرنے اور اس پر جرح کرنے کا حق ہو گا.....اس کو اللہ کی قسم اٹھا کر سچ جواب دینا ہو گا.....)

''ٹھیک ہے۔آپ کو ٹرائل کا حق دیا جا رہا ہے۔گیارہ نومبر کو استغاثہ عدالت میں اپنے....'' وہ آرڈر جاری کرتے ہوئے کہہ رہے تھے۔اور زمر کا بس نہیں چل رہا تھا' کہ ان کا ہتھوڑا اٹھا کر فارس کو دے مارے۔

کارروائی ختم ہونے کے بعد وہ اس کے ساتھ چلتی باہر آئی' اور جس وقت پولیس اہلکار اس کو ہتھکڑی لگا رہے تھے' وہ بہت ضبط سے بولی تھی۔

''فارس' تم گواہی نہیں دے سکتے۔'' آنکھوں سے تنبیہہ کی۔وہ چہرہ موڑ کر اسے دیکھنے لگا' پھر ذرا سا مسکرایا۔

''میں بے گناہ ہوں' گواہی دے سکتا ہوں۔''

''وہ تم سے 28 اگست کی رات کے بارے میں پوچھیں گے۔''

''میں جھوٹ نہیں بولوں گا۔'' ہتھکڑی بند ہوئی اور وہ اسے لے کر مڑ گئے اور زمر... پیر پٹخ کر رہ گئی۔وہ شدید پریشان ہو گئی تھی۔وہ اس کے لیے عدالت میں ایک ہزار جھوٹ بول سکتی تھی' اور عدالت میں یہی تو کیا جاتا ہے' مگر کٹہرے میں کھڑے ہو کر گواہ کے طور پہ قسم اٹھا کر جھوٹ۔۔یہ پرجری تھی' اور وہ ایسا کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔اسے معلوم تھا فارس بھی جھوٹ نہیں بولے گا' اور ہاشم کو بھی معلوم تھا کہ وہ جھوٹ نہیں بولے گا' اسی لیے تو سارا کھیل ترتیب دیا تھا' قاتل نہ سہی' arsonist ہونا ہی کھل جائے! اف وہ اس آدمی کا دفاع کیسے کرے جو خود اپنا دفاع نہیں کرنا چاہتا تھا؟

بہت برے موڈ کے ساتھ وہ واپس پلٹی تھی۔

شہر کے دوسرے حصے میں قائم قصرِ کاردار کی اونچی کھڑکیوں سے باہر صبح کا سیاہ آسمان نظر آ رہا تھا۔لاؤنج کی ایک کھڑکی کے قریب کرسی پہ نیم دراز' پیر چھوٹی میز پہ رکھے نوشیرواں رات والے کپڑوں اور بکھرے بالوں میں' تازہ تازہ نیند سے جاگا' موبائل پہ لگا تھا۔انگلی سے اسکرین اوپر نیچے کرتے' بے زاری اور سستی سے نیوز فیڈ دیکھتے' وہ ایک دم ٹھہرا۔ذرا چونکا۔سستی غائب ہوئی۔اطلاع موصول ہوئی تھی۔

علیشا کاردار نے آپ کی دوستی کی درخواست قبول کر لی ہے۔

نوشیرواں نے تھوڑی پہ فرنچ داڑھی کھجائی۔ایک دم اپنا آپ چغد سا لگا۔اس حرکت کی وجہ سمجھ نہیں آئی۔کیوں کیا ایسے؟ قنوطیت کا دوسرا دورہ پڑنے لگا تو ابرو اکٹھے ہوئے۔خفگی سے علیشا کی پروفائل کھولی' اور دوستی ختم کرنے کے نشان کو کلک کرنے ہی لگا تھا کہ....

علیشا کا پیغام موصول ہوا۔سرخ نشان ابھرا۔شیرو نے اسے دبایا۔''نوشیرواں کاردار؟ تم نے مجھے ایڈ کیوں کیا؟''

اس کی انگلیاں بنا سوچے سمجھے کی پیڈ پہ چلنے لگیں۔''کیوں؟ کیا میں تمہیں ایڈ نہیں کر سکتا؟ کیا ہم فیملی نہیں ہیں؟'' ساتھ ہی کندھے بھی اچکائے تھے۔

''واہ۔پچیس سال بعد تمہیں یاد آ گیا کہ ہم فیملی ہیں۔''

''اگر میری جگہ ہاشم بھائی نے تمہیں ایڈ کیا ہوتا تو تم شاید کسی اور طرح جواب دیتی' ہے نا؟''

''ہاشم کو مجھے ایڈ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔وہ ہر مہینے مجھے فون کر لیتا ہے' اور وہ میری فیس بھی ادا کر رہا ہے' اس کے بدلے میں مجھے صرف

تمہارے خاندان سے دور رہنا ہے۔ اس لئے مجھے اسی طرح جواب دینا چاہیے۔ بائے۔" اور وہ آف لائن ہو گئی۔

نوشیرواں کو غصہ نہیں آیا' وہ اسی طرح عجیب سے احساس میں گھرا بیٹھا رہا۔ تبھی باہر ہلچل کی سی کیفیت پیدا ہوئی۔ وہ چونکا اور گردن موڑ کر دیکھا۔ کھڑکی کے پار رکتی کاریں... کھلتے دروازے... آوازیں... تیز تیز گھر کی طرف بڑھتا ہاشم... پیچھے جواہرات.... سب دکھائی دے رہا تھا۔ شیرو نے ایک دم جلدی سے فیس بک بند کی اور فون پاکٹ میں گویا چھپاتا، اٹھا۔

"ہیلو بھائی۔ آپ جلدی آ گئے۔" ہاشم دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تو شیرو جبراً مسکراتا سامنے آیا۔

ہاشم سنجیدہ ایک سپاٹ نظر اس پہ ڈالتا تیزی سے کنٹرول روم کی طرف چلا گیا۔ شیرو نے قدرے حیرت سے اسے دیکھا' پھر پیچھے آتی مضطرب سی جواہرات کو۔ تبھی فیونا سامنے آئی' ادب سے ہاتھ باندھے مسکراتے ہوئے خوش آمدید کہا۔

"خاور کہاں ہے؟" جواہرات نے اسی اضطراب سے پوچھا تھا۔

"مسٹر خاور کو کل ہاشم صاحب نے فون کر کے سندھ جانے کا حکم دیا تھا' وہاں پلانٹ پہ کچھ کام تھے۔ غالباً دو تین روز میں آ جائے گا۔"

"اچھا۔" جواہرات آدھی بات ان سنی کرتی ہاشم کے پیچھے گئی۔ فیونا تو اثر لئے بنا کھانا لگانے کا حکم دینے کچن کی طرف چلی گئی' البتہ نوشیرواں قدرے اچنبھے قدرے خفگی سے ماں کے پیچھے آیا۔

"آپ لوگوں کا موڈ کیوں خراب ہے؟" کنٹرول روم کے دروازے پہ آیا تو اگلے الفاظ منہ میں رہ گئے۔ ہاشم مختلف دراز' اور خانے کھول کر کچھ تلاش کر رہا تھا۔ جواہرات اس کے سر پہ کھڑی پریشان سی کہہ رہی تھی۔

"کچھ دیر آرام کر لو' شام کو ڈاکٹر واسطی کو گھر بلا کر بات کر لیں گے۔"

ایک کاغذ دراز سے نکال کر وہ اسے جیب میں اڑستا اٹھا۔ "میرے باپ کی موت کو اس نے مذاق بنا کر رکھ دیا اور آپ کہتی ہیں میں آرام کر لوں؟" ایسے چیخ کر بولا تھا کہ جواہرات چپ رہ گئی۔

"کیا ہوا بھائی؟" نوشیرواں چونکا تھا۔

"ہم ڈاکٹر واسطی کی طرف جا رہے ہیں' لباس بدلو۔" سختی سے کہہ کر فون پہ کال ملانے لگا۔ نوشیرواں نے باری باری دونوں کے چہرے دیکھے۔ جواہرات نے اثبات میں سر کو جنبش دی۔

"رئیس، تم پہنچے نہیں اب تک؟" وہ اب فون پہ کسی سے کہہ رہا تھا۔ ماحول کا تناؤ ہر گزرتے پل بڑھتا جا رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

نہ کوئی سمت نہ منزل، سو قافلہ کیسا؟

رواں ہے بھیڑ فقط، بے قیاس لوگوں کی

کاردار ز کو وہیں چھوڑ کر سبزہ زار عبور کر کے انیکسی کے اندر آؤ تو دوپہر کے باوجود موسم کے باعث اندر اندھیرا سا تھا اور ٹیوب لائٹس جلی

Nemrah Ahmed: Official

تھیں۔ کچن کی گول میز کے گرد ندرت بیٹھی مٹر چھیل رہی تھیں اور حنین ساتھ میں مونگ پھلی کے شاپر سے مونگ پھلیاں نکال کر کھا رہی تھی۔

''ہزار دفعہ کہا ہے' چھلکے اسی شاپر میں صاف مونگ پھلی کے ساتھ نہ پھینکا کرو۔'' اس کے مسلسل چھلکے اندر ہی پھینکنے پہ ندرت نے ٹوکا۔ حنہ سر ہلا کر اب چھلکے میز پہ رکھنے لگی۔ ندرت کو پھر سے تاؤ آیا۔

''حنین کوئی تمیز ہے تم میں؟ دوسروں کی بیٹیاں دیکھی ہیں؟ سگھڑ' سلیقہ شعار' کام کرتو' کیا کیا نہیں ہوتیں؟ تم کب سیکھو گی؟''

''امی' پہلی بات' ماموں کے نہ ہونے کا غصہ مجھ پہ نہ نکالیں۔ دوسری بات۔'' پھلی منہ میں ڈالتے' چباتے چباتے سنجیدگی سے ان کو دیکھ کر کہنے لگی۔ ''دوسروں کی بیٹیاں میری طرح پڑھائی میں اچھی' اور کمپیوٹر جینئس نہیں ہوتیں۔''

''لڑکیوں کے کام یہ کمپیوٹر نہیں آتے۔''

''یار امی میں نہ سلائی کڑھائی کر سکتی ہوں' نہ مجھے دس قسم کی چٹنیاں بنانی آتی ہیں۔ مجھ سے نا آپ سگھڑاپے کی توقع چھوڑ دیں۔'' مونگ پھلی پھانکتے بہت ادب سے اطلاع دی۔

''تمہیں لگتا ہے سگھڑاپا دس قسم کی چٹنیاں بنانے اور سلائی کڑھائی کرنے کا نام ہے؟'' آواز پہ حنہ چونکی۔ گردن موڑ کر دیکھا۔ بڑے ابا وہیل چیئر گھسیٹتے ادھر آ رہے تھے' چہرے پہ نرم مسکراہٹ تھی۔ ندرت اٹھ کر چولہے کی طرف چلی گئیں۔ فارس کے ذکر سے وہ رنجیدہ ہو گئی تھیں۔

''ہاں نا' وہی ہوتی ہیں نا سگھڑ لڑکیاں جو ڈائجسٹ کی کہانیوں میں گھر کے بنے کباب' سموسے' تل کر مہمانوں کے سامنے رکھتی ہیں اور ساتھ میں گھر کی ہی چٹنیاں... اور فلاں ٹانکے سے کڑھائی شدہ میز پوش بچھاتی ہیں۔'' وہ مزے سے بتا کر ہنسنے لگی۔ ابا نہیں ہنسے۔

''وہ سگھڑ نہیں ہوتیں۔ وہ ٹیلینٹڈ ہوتی ہیں۔ یہ تو ٹیلنٹس ہیں۔ مگر سگھڑاپا اس کا نام نہیں ہوتا۔''

''اس سے پہلے کہ دادا حضور' آپ مجھے بتائیں کہ میں پھوہڑ ہوں میں آپ کو بتاتی چلوں کہ آپ کی صاحبزادی کو بھی وکالت کے علاوہ کچھ نہیں آتا۔ نہ وہ کھانا بناتی ہیں' نہ سلائی کڑھائی کر سکتی ہیں۔'' مدافعانہ انداز میں اطلاع دی۔

''بالکل۔ زمر کوکنگ نہیں کرتی۔ تمہیں تو دو چار انواع و اقسام کی ڈشز بھی بنانی آتی ہیں' اسے وہ بھی نہیں آتیں۔ سادہ روٹی' چاول' اور دو ایک سالن کے علاوہ وہ کچھ نہیں بنا سکتی۔ سلائی کڑھائی کو تو اس نے کبھی ہاتھ نہیں لگایا۔ مگر پھر بھی حنہ' وہ پھوہڑ نہیں ہے' سوچو کیوں؟''

''کیونکہ آپ اس وقت مجھے نصیحت کرنے کے موڈ میں ہیں؟'' اس نے ناک سے مکھی اڑائی۔

''نہیں' کیونکہ تمہیں پھوہڑ کی اصل تعریف نہیں معلوم۔''

حنہ نے آنکھیں تیکھی کر کے ابرو اٹھائے۔ ''پھوہڑ وہی ہوتی ہے جو دس قسم کی چٹنیاں نہ بنا سکے' میز پوش اور ٹی کوزی پہ کڑھائی نہ کر سکے۔''

''ہرگز نہیں۔ پھوہڑ وہ لڑکی ہوتی ہے' جو صاف ستھری نہ ہو اور جو آرگنائزڈ نہ ہو۔''

حنین نے کندھے جھٹک کر اپنی طرف اشارہ کیا۔ ''میں تو صاف ستھری بیٹھی ہوں ابا۔'' اس کے کپڑے واقعی صاف' استری شدہ تھے' بال بھی سلیقے سے فرنچ چوٹی میں گوندھے تھے۔ منہ بھی دھلا نکھرا نکھرا تھا۔

Nemrah Ahmed Official

''پھوہڑ کا دائرہ ایک لڑکی کے اس کے گھر سے تعلق کے گرد پھیلا ہوتا ہے۔ پھوہڑ لڑکی وہ ہوتی ہے جس کے باتھ روم کا ٹوتھ برش والا کپ اندر سے صاف نہ ہو..... جس کی کچن کیبنٹ کی اوپری سطح پہ گریس کی تہیں نہ جمی ہوں... جس کے پردوں کی راڈ کے اندرونی طرف جالے نہ ہوں... جس کے کچن سنک کی نل والی دیوار (بیک اسپلیش) صاف نہ ہو..اور بتاؤں؟ یا پہلے تم یہی چیزیں چیک کر آؤ' کیونکہ تمہاری امی بہت سلیقہ مند اور سگھڑ ہیں' مگر پچھلے تین ہفتے سے فارس کی گرفتاری کی وجہ سے وہ گھر پہ توجہ نہیں دے پا رہیں' تو یہ چیزیں تمہاری ذمہ داری میں آتی ہیں۔ جاؤ چیک کر کے آؤ۔'' وہ دھیمی آواز میں کہہ رہے تھے۔

حنین نے مونگ پھلی کا لفافہ پرے دھکیلا اور چمک کر ان کو دیکھا۔

''صفائی صداقت کرتا ہے۔'' ذرا رکی۔ ''ٹھیک ہے امی اب پہلے کی طرح سر پہ کھڑی ہو کر نہیں کرواتیں صفائی' مگر میرا باتھ روم اور ہمارا کچن چمک رہا ہوتا ہے ہمیشہ۔'' کرسی دھکیل کر اٹھی اور ''یو ٹو بروٹس'' والے دکھ سے ابا کو دیکھتی' سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔

پہلے اپنا بیڈ روم دیکھا۔ صاف ستھرا پڑا تھا۔ طمانیت کا احساس ہوا۔ پردے ہٹائے اور اندرونی راڈز دیکھیں۔ دل ایک دم دھک سے رہ گیا۔ جالے! (مگر بڑے ابا تو کبھی اوپر نہیں آئے۔) باتھ روم میں آئی۔ تازہ تازہ دھلا تھا۔ فنائل کی خوشبو۔ صاف' لش چمکتا باتھ روم۔ ذرا خوش ہوئی۔ پھر ٹوتھ برش کپ ہولڈر سے نکالا اور اندر جھانکا۔ یک تھو۔ کراہ کر سنک میں پھینکا۔ اندر سے پیلا پانی جمع تھا۔ اف!

سب کی یہ جگہیں میلی ہوتی ہیں' اچھا۔ خود کو تسلی دی۔ پھر جلدی سے زمر کے کمرے میں آئی۔ چپکے سے پردے ہٹائے' صاف راڈز۔ باتھ روم میں ٹوتھ برش کپ میں جھانکا۔ اندر سے نکھرا صاف ستھرا کپ۔

ایں؟ وہ جز بز ہوئی۔ سارا گھر صداقت صاف کرتا تھا۔ پھر فرق کیوں؟ اس نے زمر کی الماریاں کھولیں۔ دراز نکال کر دیکھے۔ ہر شے سلیقے سے تہہ شدہ رکھی تھی۔ ایک اس کی الماری کھولنے پہ کپڑے باہر کو کیوں ابلتے تھے؟ دراز کیوں زلزلے کے بعد کے علاقوں کی طرح لگتے تھے؟

اوہوں! ابا بھی نا۔ دھپ دھپ کرتی نیچے آئی اور خفگی سے ان کے سامنے بیٹھی۔ انہوں نے مسکرا کر اطمینان سے اسے دیکھا۔

''کتنی چٹنیاں اور مربعے ملے میری بڑی بیٹی کی الماریوں سے میری چھوٹی بیٹی کو؟'' انہوں نے سادگی سے سوال کیا۔

''دیکھیں' میں جیسی ہوں' ٹھیک ہوں۔ کوئی کسی چیز میں اچھا ہوتا ہے' کوئی کسی میں' پھر مجھے نہ اتنا ٹائم ملتا ہے' نہ موقع کہ گھر کے کام کروں۔''

ابا رازداری سے قریب ہوئے اور آہستہ سے بولے۔ ''ساری سست نکمی اور پھوہڑ لڑکیاں یہی کہتی ہیں۔''

حنہ نے شدید ناراضی سے ان کو دیکھا تھا۔ وہ اب وہیل چیئر موڑ رہے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

تمام عمر بگولوں کی فصل کاٹے گا
کہا تھا کس نے کہ صحرا کی آبیاری کر

اس تاریک سی دوپہر ڈاکٹر واسطی جو سرکاری ہسپتال میں ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ تھے' ہسپتال کے پارکنگ ایریا کی طرف جا ہی رہے تھے

کہ ایک سیاہ شیشوں والی کار ان کے سامنے آرکی' اور دو سوٹ میں ملبوس افراد باہر نکلے۔

''آپ کے گھر پہ ہاشم کاردار آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔'' اور کار کا دروازہ کھول دیا' گویا اندر بیٹھنے کا اشارہ ہو۔ ڈاکٹر واسطی کا چہرہ ایک دم سفید پڑنے لگا تھا۔

جس وقت وہ ان افراد کے ہمراہ اپنے ہی گھر میں کسی یرغمال کی طرح داخل ہوئے' سامنے ڈرائنگ روم کا دروازہ کھلا تھا اور بڑے صوفے پہ ہاشم کاردار براجمان نظر آرہا تھا۔ گرے سوٹ میں ملبوس' ٹانگ پہ ٹانگ جمائے' وہ دو انگلیوں میں خشک سگار گھما رہا تھا۔ سامنے میز پہ ڈاکٹر واسطی کے سگار کا ڈبہ کھلا پڑا تھا۔

''آؤ' میں تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا۔'' جس طرح وہ سلگتی پر تپش نظریں ان پہ گاڑھے بولا تھا' ان کے قدم سست ہوئے۔ ساتھ جواہرات بیٹھی تھی۔ سیاہ لمبی کافتان شرٹ اور سفید ٹائٹس میں' سیدھے بھورے بال چہرے کے ایک طرف گرائے اور لبوں پہ سرخ لپ اسٹک لگی تھی۔ وہ بھی ان کو انہی تپتی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ کونے میں نوشیرواں گھٹنے ملائے' بالکل خاموش شل بیٹھا تھا۔

وہ ڈھیلے قدموں سے چلتے سامنے آئے۔ رئیس نامی سوٹ میں ملبوس اونچے لمبے مرد نے ایک کرسی پٹخنے کے انداز میں ہاشم اور جواہرات کے مقابل رکھی' اور انہیں کندھے سے پکڑ کر گویا اس پہ دھکیلا۔ پھر تمام گارڈز باہر چلے گئے۔

''ہاشم' کیا ہوا' آپ لوگ اتنے ....'' ڈاکٹر واسطی نے بولنے کی کوشش کی مگر ہاشم ایک دم اٹھا' ایک کاغذ ان کے سامنے پٹخا۔

''یہ وہ بکواس ہے جو میرے باپ کی پوسٹ مارٹم رپورٹ پہ تم نے لکھی تھی۔'' غصے سے وہ غراتے ہوئے ان کے سامنے میز کے کنارے پہ آ بیٹھا۔ ''اب مجھے بتاؤ' میرا باپ کیسے مرا تھا' کس نے مارا ہے میرے باپ کو؟ بولو۔'' ایک دم ان کا کالر پکڑ کر جھٹکا دیا تو ڈاکٹر واسطی ہکا بکا رہ گئے۔

''ہاشم تم کیا کہہ رہے ہو؟ کاردار صاحب کی موت گرنے کے باعث...''

ہاشم نے زور کا طمانچہ ان کے منہ پہ جڑا تھا' اور اس سے پہلے کہ گریبان سے پکڑ کر ان کو اپنے سامنے کھڑا کرتا' جواہرات اٹھی' اور ہاشم کے دونوں کندھوں پہ دباؤ ڈال کر اسے تھمنے کو کہا۔ شیرواب بھی شل' گم صم بیٹھا تھا۔

''ہاشم' تم واپس بیٹھو' ان سے بات میں کروں گی۔ واپس بیٹھو ہاشم یہ میرا حکم ہے۔'' وہ جو غصے میں پاگل ہو رہا تھا' بس نہیں چلتا تھا کہ ڈاکٹر کو دبوچ کر مار ہی دے' بمشکل اٹھا اور صوفے تک گیا۔ مگر بیٹھا نہیں۔ اس کی رنگت سرخ تھی اور ہاتھ کانپ رہے تھے۔

اب کے جواہرات اسی اطمینان سے ڈاکٹر واسطی کی طرف متوجہ ہوئی' جن کا چہرہ تھپڑ کے باعث بائیں جانب کو لڑھک گیا تھا' اور اب وہ کھانستے ہوئے سنبھلنے کی کوشش کر رہے تھے۔

''ڈاکٹر واسطی.. میں جواہرات کاردار ہوں۔ گردن اٹھاؤ اور مجھے دیکھو... دیکھو کہ میں کون ہوں۔'' جواہرات نے تحکم سے کہا تھا۔ کھانستے کھانستے نقاہت زدہ سرخ چہرہ انہوں نے اٹھایا اور ملکہ کو دیکھا۔ وہ ان کے سامنے کھڑی تھی۔ بالکل سامنے کہ ہاشم عقب میں چھپ گیا تھا۔

Nemrah Ahmed Official

"میں جواہرات ہوں۔اورنگزیب کاردار کی بیوی۔ہاشم کاردار کی ماں۔میں ہوں مالک اس ساری ایمپائر کی!" سینے پہ ایک انگلی سے دستک دیتی وہ کہہ رہی تھی۔"میں ڈائریکٹر ہوں'میں چیف ایگزیکٹو ہوں۔میں ہوں ملکہ!"شعلہ بار نظریں ڈاکٹر کے چہرے پہ جمائے'وہ اب ان کی کرسی کے گرد گول چکر میں ٹہلنے لگی تھی۔ڈاکٹر واسطی کے ایک رنگ آ رہا تھا'ایک جا رہا تھا۔بار بار کچھ کہنے کو لب کھولتے'پھر بے چارگی سے بند کر دیتے۔

"اس وقت ڈاکٹر واسطی'اس کمرے میں ساری طاقت کی مالک میں ہوں۔یہاں سب میرے حکم پہ چلتے ہیں۔سب میرے پابند ہیں۔اور جو دھوکہ تم نے ہمارے خاندان کو دیا ہے'وہ دراصل تم نے مجھے دیا ہے۔" گھوم کر ان کے سامنے آتی'وہ چبا چبا کر کہہ رہی تھی۔ہاشم ابھی تک بپھرا کھڑا غصے سے یہ سب دیکھ رہا تھا۔شیرو کی نظریں ڈاکٹر کے چہرے پہ جمی تھیں اور لب سلے تھے۔مہر بند۔

"اس وقت اگر تمہیں کوئی سزا دے سکتا ہے تو وہ میں ہوں!اس وقت تمہیں اگر کوئی فنا کر سکتا ہے تو وہ میں ہوں۔تمہارے اوپر صرف میں قہر ڈال سکتی ہوں۔" ان کے گرد چکر میں گھومتے'وہ بلند آواز میں بول رہی تھی اور ڈاکٹر واسطی نم آنکھوں سے سامنے دیکھ رہے تھے۔

"اگر اس وقت تمہارے خاندان کو'تمہاری زندگی کو کوئی برباد کر سکتا ہے تو وہ میں ہوں۔اگر اس وقت تمہاری اولاد کو تمہارے سامنے لا کر کوئی مار سکتا ہے تو وہ میں ہوں۔تمہیں مجھ سے ڈرنا چاہیے۔جہنم بھی میں ہوں'قہر بھی میں ہوں!"

ڈاکٹر نے پیشانی کف سے رگڑی۔چہرہ جھکا لیا۔ہاشم سر جھٹک کر کچھ بڑبڑایا تھا۔جواہرات اسی طرح طواف میں گھومتی'بول رہی تھی۔"اور اگر اس وقت تمہیں کوئی بچا سکتا ہے تو وہ میں ہوں۔"

"ممی'میں اس کو....." ہاشم ایک دم غرانے لگا مگر جواہرات نے سختی سے اسے گھورتے تھم جانے کا اشارہ کیا۔وہ بمشکل ضبط کر پایا۔

"اگر اس وقت تمہیں کوئی معاف کر سکتا ہے تو وہ بھی میں ہوں۔تمہیں صرف میں ہی اس عذاب سے نجات دلا سکتی ہوں۔صرف میں تمہیں اپنے بیٹے کے قہر اور اپنے شوہر کی روح سے بچا سکتی ہوں۔صرف میں تمہارے خاندان کو اس وقت اس شخص سے بچا سکتی ہوں جس کے کہنے پہ تم نے رپورٹ بدلی۔صرف میں....صرف میں تمہاری ڈھال بن سکتی ہوں۔" اونچا اونچا غرانے کے انداز میں کہتی وہ ہنوز ان کے گرد طواف کر رہی تھی۔ڈاکٹر نے دونوں ہاتھوں میں چہرہ گرا لیا۔

"میں ہی رحم ہوں'میں ہی مرحمت ہوں'میں ہی قہر ہوں'میں ہی تمہاری خدا ہوں اس وقت....سو...." سات چکر مکمل ہوئے۔وہ اب ان کے سامنے میز کے کنارے پہ آ ٹکی اور تنی گردن کے ساتھ ان کو دیکھا۔"سو اب مجھے بتاؤ...کس کے کہنے پہ ہم سے جھوٹ بولا تھا؟"

ڈاکٹر واسطی نے چہرہ اٹھایا۔سفید رنگت اور نم آنکھوں سے اس شیرنی کو دیکھا'پھر پیچھے کھڑے ہاشم کو'جس کا چہرہ ابھی تک سرخ تھا۔

"کرنل خاور!" بدقت الفاظ ڈاکٹر واسطی کے لبوں سے نکلے۔آنکھ سے ایک آنسو بھی ٹوٹ کر گرا۔"کرنل خاور نے مجھے دھمکایا تھا'میں نے ڈر کے باعث اپنے خاندان کی حفاظت کے لیے....کیا یہ سب...."

جواہرات کے لبوں سے اطمینان انگیز سانس نکلی۔گردن مزید تن گئی۔مڑ کر ہاشم کو دیکھا۔جس نے لمحے بھر کو آنکھیں میچ لی تھیں'پھر نڈھال

سا صوفے پہ بیٹھ گیا۔ کچھ دیر کو وہ بالکل لاجواب ہو گیا تھا۔

کسی نے نہیں محسوس کیا کہ۔۔۔۔ خاموش سا نوشیرواں اٹھ کر باہر چلا گیا تھا۔

''ہم کیسے مان لیں کہ تم سچ بول رہے ہو؟ کرنل خاور ہمارا وفادار ملازم ہے۔'' جواہرات اب بلند آواز میں ڈاکٹر کو مخاطب کر رہی تھی۔ ہاشم بھی چہرہ اٹھا کر دیکھنے لگا۔

''میں سچ کہہ رہا ہوں' اس نے مجھے جان سے مارنے کی دھمکی دی تھی۔'' وہ بے چارگی سے بولے تھے۔

''کیا ثبوت ہے اس کا کہ وہ تمہیں دھمکا رہا تھا؟''

''ثبوت۔'' وہ ٹھہرے۔ باری باری دونوں کی صورتیں دیکھیں۔ ''اس نے کام ہونے کے بعد میرے اکاؤنٹ میں پیسے ٹرانسفر کیے تھے۔''

''تم نے وہ پیسے رکھ لیے؟'' جواہرات نے آنکھیں نکالیں۔

''مجھے معاف کر دیں مسز کاردار' میں مجبور تھا۔ میں نہ رکھتا تو وہ مجھ پہ شک کرتا۔ میں آپ کو نہیں بتا سکتا تھا' وہ بہت خطرناک آدمی ہے۔''

''جو تم کہہ رہے ہو' اس کی میں ... خود... خود تصدیق کرواؤں گا۔ اور اگر یہ جھوٹ نکلا تو یاد رکھنا' میں تمہاری جان لے لوں گا۔ خیر' چھوڑوں گا تو میں تمہیں اب بھی نہیں۔'' ہاشم تن فن کرتا وہاں سے نکل گیا۔ جواہرات نے ایک فاتحانہ مگر آسودہ نظر ڈاکٹر پہ ڈالی جنہوں نے اثبات میں سر کو خم دیا تھا۔ پھر وہ اسی اعتماد کے ساتھ باہر نکل گئی۔

''ہم آنکھیں بند کر کے اس کی بات نہیں مان سکتے ہاشم۔ تم تصدیق کرواؤ۔ بغیر تصدیق کے خاور کو الزام دینا...'' باہر وہ بڑے سبھاؤ سے کہہ رہی تھی' جب ہاشم نے تیزی سے اس کی بات کاٹی۔

''اگر آپ اس وقت مجھے بتاتیں تو میں دیکھتا خاور میری ناک کے نیچے یہ سب کیسے کرتا ہے۔ مگر آپ نے ممی....'' ملامتی نظروں سے اسے دیکھتے اس نے سر جھٹکا۔ ''آپ نے سعدی کو بتایا' مگر مجھے نہیں۔'' اور رخ موڑ لیا۔ جواہرات بالکل لاجواب بیٹھی رہ گئی۔

نئی اک داستاں لکھیں گے ہم نے سوچ رکھا ہے

ختم کر دیں گے سبھی قصے مگر آرام سے پہلے

جب وہ گھر کے سامنے اتری تو ٹیکسی کی طرف سے زمر چلی آ رہی تھی۔ سفید لباس اور سیاہ کوٹ میں ملبوس' گویا ابھی سماعت سے لوٹی تھی۔ ہاشم اور شیرو اندر چلے گئے مگر جواہرات رک گئی۔ زمر قریب آئی' نرمی سے مسکرا کر اس سے ملی۔

''مسز کاردار! مجھے آپ سے ایک کام ہے۔''

''شیور ہنی' بولو!'' وہ بھی نرمی سے اس کا ہاتھ تھامے اسے سبزہ زار پہ آگے لے آئی۔

''میں نے فارس کو بمشکل قائل کیا ہے کہ وہ اپنے گواہ کے طور پہ خود پیش ہو۔''

''اوہ' مگر یہ تو اچھا آئیڈیا نہیں ہے۔''

’’مسز کاردار!‘‘ زمر نے مسکرا کر اس کے ہاتھوں پہ اپنے ہاتھ رکھے۔ دونوں سبزہ زار پہ آمنے سامنے کھڑی تھیں۔ اوپر سیاہ بادل ابھی تک بوجھل تھے اور ہلکے ہلکے گرج بھی رہے تھے۔ ’’آپ بھول گئیں میں نے فارس سے کیوں شادی کی تھی؟‘‘

جواہرات ذرا چونکی۔ پھر مسکرائی۔ ’’تم اس کو اسی کی گواہی میں پھنسانا چاہتی ہو؟ تو کیا تم ہی نے اس کو اس مقدمے میں ....‘‘

’’نہیں، یہ صرف اتفاق تھا، اس کے اور دشمن بھی ہیں، لیکن میں اس موقعے کو کھونا نہیں چاہتی۔‘‘

’’مگر وہ عقلمند ہے، گواہی محتاط طریقے سے دے لے گا۔‘‘ جواہرات نے بظاہر لاعلمی ظاہر کیا۔ زمر قدرے قریب ہوئی اور مسکرائی۔ ’’نہیں، وہ نہیں دے گا، کیونکہ عین اس وقت وہ کہیں اور کسی اور جرم میں ملوث تھا۔ میں اس کو پھنسا لوں گی، اپنا انتقام لے لوں گی، مگر یہ صرف تب ہی ممکن ہے جب وہ گواہی کے لئے کٹہرے میں آئے۔‘‘

’’وہ راضی ہے تو کیا مسئلہ ہے؟‘‘

’’مسز کاردار، میں نے بہت اداکاری سے اسے قائل کیا ہے۔ اب مجھے اس کی گواہی کے وقت تک خود کو اس کا مخلص وکیل ثابت کرنا ہو گا، مگر وہ... وہ ڈیفینس witness ون (DW1) کے طور پہ پیش ہو گا۔ خود سوچیے، ابھی تمام پراسیکیوشن (Pws) witness پیش ہوں گے، کورٹ (Cw) witness پیش ہوں گے، اس کے بعد Dw1 کی باری آئے گی۔ مہینے لگتے ہیں اس کارروائی میں!‘‘ پھر اپنائیت سے اس کا ہاتھ دبایا۔ ’’آپ نے میری مدد کا وعدہ کیا تھا، پلیز میری مدد کریں۔ میں زیادہ عرصہ اداکاری قائم نہیں رکھ پاؤں گی۔ مجھے ڈر ہے وہ جیل توڑ کر بھاگ جائے گا۔ کورٹ کا آپ کو معلوم ہے، لمبی تاریخ دے دیا کرتے ہیں، سوائے...‘‘ ذرا رکی۔ ’’سوائے ان کیسز کے جن کو وہ خود تیزی سے چلانا چاہیں۔ آپ صرف چند ڈوریاں ہلا دیں تو ہمیں تاریخ جلدی مل جایا کرے گی۔‘‘

بادل زور سے گرجے، سیاہ دوپہر میں بجلی بھی کڑاکے کی چمکی۔ جواہرات نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا۔ گردن مزید تن گئی۔ آنکھیں چمکی تھیں۔

’’میں سمجھ گئی۔ تم بےفکر رہو۔ میں دیکھ لوں گی۔‘‘ اکڑے کندھوں کے ساتھ شانِ بےنیازی سے تسلی دی۔ زمر نے سر کے خم سے شکریہ ادا کیا اور مڑ گئی۔ اب وہ سبزہ زار پہ چلتی انیکسی کی طرف آتی دکھائی دے رہی تھی اور عقب میں گھاس میں جواہرات سیاہ لباس اور سرخ لپ اسٹک میں کسی خوبصورت مجسمے کی طرح کھڑی مسکرا رہی تھی۔

پہلے خاور، اور اب فارس۔ اس کے دشمن خود بخود دلپسپا ہو رہے تھے۔ بارش کی پہلی بوند اس کے اوپر گری تو وہ اسی آسودہ مسکراہٹ کے ساتھ پلٹ گئی۔ اب صرف دو پیادے رہ گئے تھے۔ سعدی اور میری۔

جب تک زمر انیکسی کے دروازے پہ پہنچی، بارش ایک دم تڑ تڑ برسنے لگی تھی۔ وہ گھنگریالے بالوں کو ہاتھوں سے جوڑے میں لپیٹتی، اندر آئی۔ لاؤنج میں ٹیوب لائٹس جلی تھیں۔ ٹھنڈا سا اندھیرا پھر بھی محسوس ہوتا تھا۔ سب اپنے کمروں میں تھے۔ وہ اوپر آئی تو کمرے میں حنہ صوفے پہ بیٹھی، پیر جھلاتی سوچ میں گم تھی۔

#NAO

www.facebook.com/nemrah.ahmed.official

''آپ کدھر گئی تھیں؟'' اسے آتے دیکھ کر وہ خیال سے چونکی۔

''میں اس امر کو یقینی بنانے گئی تھی کہ فارس کے مقدمے کی تاریخیں جلد از جلد ملا کریں۔ دیکھنا! اب پراسیکیوشن خود اس مقدمے کو تیز چلائیں گے۔'' وہ بات کرنے کے ساتھ اپنی چیزیں اور پرس جو آتے ہی ڈریسنگ ٹیبل پہ رکھ کر چلی گئی تھی' اب اٹھا کر ان کی جگہوں پہ رکھ رہی تھی۔ حنین غور سے اس کے ہاتھوں کی حرکت دیکھے گئی۔ اب وہ بستر کی طرف آئی اور اسے جوڑنے لگی۔

''آپ کے باتھ روم کی صفائی کون کرتا ہے؟'' حنین اس سے زیادہ صبر نہیں کر سکتی تھی۔ کمبل تہہ کرتے زمر کے ہاتھ رکے' قدرے اچنبھے سے اس سوال پہ اسے دیکھا۔

''صداقت کرتا ہے' کبھی میں خود کرتی ہوں۔''

''میں نے تو آپ کو کبھی صفائی کرتے نہیں دیکھا۔''

''صفائی میں دو منٹ تو لگتے ہیں۔ کیوں؟'' اسے سمجھ نہیں آیا تھا۔ حنین چپ ہو گئی۔ چند منٹ میں وہ کمرہ درست حالت پہ واپس لا چکی تھی۔

(مجھے کسی بات کا پتہ نہیں چلتا۔ نہ میں اس فلیش کو ابھی تک کھول سکی۔ نہ میں فجر پہ نماز کے لئے اٹھ سکتی ہوں۔ نہ میں آرگنائزڈ ہوں' نہ نیک اور تابعدار۔ میں ایک failure ہوں۔ صرف فیلیئر!) وہ مایوسی سے سوچتی رہی۔ کھڑکیوں پہ بارش تڑتڑ برستی رہی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

Nemrah Ahmed: Official

میں کس زباں سے گہر کو گہر کہوں کہ مجھے
صدف صدف میں ہجومِ شرر نظر آئے

شہر کی مصروف شاہراہ پہ وہ طویل قامت عمارت تنی ہوئی کھڑی تھی۔ اوپری منزل کے اس کشادہ آفس میں مدھم بتیاں روشن تھیں۔ آبنوسی میز کے پیچھے بیٹھے ہارون عبید' کچھ کاغذات پہ باری باری دستخط کر رہے تھے۔ سیکرٹری جلدی جلدی ان کو کچھ بتاتے ہوئے کاغذ پلٹ کر اگلے صفحے سامنے لا رہی تھی۔ تبھی دروازہ ذرا سا بج کر کھلا۔ ہارون نے چہرہ اٹھایا اور ریڈنگ گلاسز کے پیچھے سے جھانکا۔

چوکھٹ میں جینز اور ہائی نیک سوئیٹر میں ملبوس' سنجیدہ چہرے والا احمر شفیع کھڑا تھا۔ ہاتھ میں ایک کاغذ تھا۔

''آؤ احمر آؤ'' انہوں نے اسے آنے کا اشارہ کیا اور دستخط کرتے کہنے لگے۔ ''تمہارے ساتھ ایک آئیڈیا ڈسکس کرنا تھا۔''

''سر!'' اس نے ادب سے کاغذ ان کے سامنے رکھا۔ ہارون نے ایک سرسری نظر ڈالی۔ مگر پھر... ٹھہر گئے۔ چونک کر کاغذ کو دیکھا' پھر احمر کو۔

''استعفیٰ؟'' قلم کی کیپ بند کی' عینک اتاری' اور پیچھے ہو کر بیٹھے۔ سر کے خم سے لڑکی کو جانے کا اشارہ کیا اور اسے بیٹھنے کا۔

''سر میرا کانٹریکٹ آپ کے ساتھ ختم ہو رہا ہے۔ آپ کو اگلے ماہ سینیٹر بنایا جا رہا ہے' سو میرا کام بھی ختم۔''

''ہوں!'' وہ قلم ہاتھوں میں گھماتے غور سے اسے دیکھنے لگے۔ ''تم خفا ہو کسی بات پہ؟''

''نہیں سر! مجھے بس ایک بہتر جاب مل گئی ہے۔'' وہ پھیکا سا مسکرایا۔

''اچھا گڈ۔ کس کے ہاں؟''

''ابھی کچھ کہنا قبل از وقت ہے، میں جوائن کرنے کے بعد ہی بتا سکتا ہوں۔''

اس بات پہ ہارون نے آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھا۔ ''میں نے تمہارے جیل والے دوست کے لئے سفارش کر دی تھی' میری بیٹی بھی بالخصوص اس کے لئے وہاں گئی تھی' تم شیور ہو کہ تم ہم سے خفا نہیں ہو؟''

''نہیں سر! میری اتنی اوقات نہیں۔ میں آپ کا شکر گزار ہوں۔ آپ نے مجھے بہت کچھ سکھایا ہے۔''

''کانٹریکٹ ری نیو کرنے کے بارے میں سوچ سکتا ہوں میں۔'' وہ قائل نہیں ہوئے تھے سو اسے پیشکش دی۔

''سر آپ جب بلائیں گے میں حاضر ہوں گا' مگر میں اس دوسری جگہ واقعی جاب کرنا چاہتا ہوں۔'' احمر متانت بھری سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔

''او کے! او کے!'' سر اثبات میں ہلاتے وہ اس کاغذ پہ دستخط کرنے لگے۔ وہ خاموش بیٹھا دیکھتا رہا۔

جب وہ اس عمارت سے نکل کر زیرِ زمین پارکنگ ایریا میں اپنی کار کی طرف بڑھ رہا تھا تو اس کے قریب ایک لمبی' شیشوں والی کار آرکی۔ تہہ خانے میں اونچے گول ستونوں سے کھڑے اس پارکنگ لاٹ میں خالی کاریں دور دور تک کھڑی تھیں۔ روشنی کم تھی۔ ویرانی اور خاموشی۔ ایسے میں احمر نے ویران نظروں سیاہ لمبی کار کو دیکھا' جس میں سے گارڈ نکل کر باہر کھڑے ہو گئے تھے اور پچھلا دروازہ کھول دیا تھا۔ اندر کھلی سی جگہ تھی اور دو نشستیں آمنے سامنے بنی تھیں۔ ایک نشست خالی تھی' اور دوسری پہ تمکنت سے بیٹھی جواہرات مسکرا رہی تھی۔

''ہیلو! اگین احمر!'' احمر نے سر کو خم دیا اور اندر اس کے سامنے آبیٹھا۔ دروازہ باہر سے بند کر دیا گیا۔ دونوں تنہا رہ گئے۔

''تمہارا شکریہ' ڈاکٹر واسطی والے معاملے کے لئے۔'' وہ مسکرا کر گویا ہوئی۔

ہاشم نے جواہرات کو اس کا سیل فون اسی روز واپس کر دیا تھا مگر اس نے باہر جا کر ایک پے فون سے احمر کو کال کی تھی۔ ہوٹل کا فون' اپنا ملازم' اسے کسی پہ بھروسہ نہ تھا۔ احمر سے اس نے مدد مانگی تھی۔ بدلے میں ایک آفر دی تھی۔ ایک کام ہو چکا تھا' دوسرا ہونے جا رہا تھا۔

''زیادہ مشکل نہیں تھا۔ آپ خاور کو ہاشم کی نظر میں معتوب ثابت کرنا چاہتی تھیں' میں نے بیک ڈیٹس میں ان دونوں کے اکاؤنٹس میں ہیر پھیر کروا دی ہے۔ ہاشم چیک کرے گا تو سارا کام جینوئین ملے گا۔ بیک ڈیٹس میں دونوں کے فون بلز میں بھی ردوبدل کی گئی ہے۔ میں ایسے ایلگورتھمز استعمال کرتا رہتا ہوں۔ وہ فون ریکارڈ بھی نکلوائے گا۔ مجھے صرف یہی ثابت کرنے کو کہا تھا آپ نے کہ خاور نے ڈاکٹر کے ساتھ ملی بھگت سے کوئی کام کروایا ہے۔ تاریخ پونے دو سال پہلے کی دی آپ نے' مگر یہ نہیں بتایا کہ معاملہ کیا تھا؟''

''تم جانتے ہو وہ میں نہیں بتاؤں گی۔'' وہ مسکراتے ہوئے اپنے ائیر رنگ پہ انگلی پھیر رہی تھی۔ ''کیوں نا ہم اس آفر کے بارے میں بات کریں جو میں نے تمہیں دی تھی؟'' احمر نے گہری سانس لی۔

''میں نے یہ سب یہی جاب حاصل کرنے کے لئے کیا ہے' مگر مسز کاردار' میں خاور کی طرح کا سیکیورٹی آفیسر نہیں بن سکتا۔''

''احمر! مجھے صرف ایک پی آر او چاہیے' میرا ایک ذاتی نائب۔ اور تم قابلِ اعتبار ہو۔ خاور کا نعم البدل میں اس سے بہتر رکھنا چاہتی ہوں۔''

''خاور کا نعم البدل آپ کو کبھی نہیں ملے گا۔ وہ آل ان ون تھا۔ ہاں دو تین لوگ مل کر اس کا کام سنبھال سکتے ہیں۔ میں یہ جاب لینا چاہوں گا۔'' اب کے وہ مسکرایا۔ ''مگر پیسے سے زیادہ مجھے تحفظ چاہیے میرا کوئی مقام ہونا چاہیے۔ میں کسی کمی کمین نوکر کی طرح نہیں رہنا چاہتا۔''

''احمر تمہارے اندر سب سے پرکشش بات معلوم ہے کیا ہے؟'' وہ مسکرا کر اسے دیکھتی محظوظ انداز میں کہہ رہی تھی۔ ''تمہارے اندر کا شر! تمہاری فراڈ' اور evil سائیڈ۔ طاقت کی خواہش۔ کنٹرول کی آرزو۔ تم ambitious ہو۔ مجھے ایسے ہی شخص کی ضرورت ہے۔!''

''پھر میں آپ کے لئے کام کرنے کو تیار ہوں' مسز کاردار!'' سر اٹھا کر ایک عزم سے وہ بولا تھا۔ جواہرات نے ہاتھ مصافحے کے لئے بڑھایا۔ احمر نے سر کو خم دیتے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''کاردارز کا حصہ بننے پہ خوش آمدید!'' مسکرا کر وہ بولی تھی۔ وہ بھی بھاری دل سے مسکرایا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

دیکھ آ کر کبھی ان کو بھی جو تیرے ہاتھوں

ایسے اجڑے ہیں کہ آباد نہیں ہونے کے

اس صبح جب سارے شہر کو سرما کی نرم گرم دھوپ نے اپنے پروں میں سمیٹ رکھا تھا' زمر ڈاکٹر قاسم کے آفس میں ایک لمبی ملاقات کے بعد قدرے ناخوش سی کرسی سے اٹھ رہی تھی۔

Nemrah Ahmed: Official

''میں سوچ کر بتاتی ہوں آپ کو...'' وہ بھی ساتھ ہی اٹھے۔

''آپ جو بھی فیصلہ کریں' جلدی کیجیے گا۔ ڈونر کے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔'' اس نے خاموشی سے اثبات میں سر ہلایا' اور پرس کی اسٹریپ کندھے پہ ڈالی۔

''زمر... کسی دوست سے اپنا مسئلہ شیئر کیجیے گا۔ اس طرح آپ بہتر فیصلہ کر سکیں گی۔'' وہ فقرہ اس کے ذہن میں اٹک گیا۔ وہاں سے نکل کر' بے مقصد سڑکوں پہ کار چلاتے' وہ لب کاٹتے ہوئے اسی فقرے میں اٹکی رہی۔

''اتنے سال بعد احساس ہو رہا ہے اللہ تعالیٰ کہ میرا کوئی دوست نہیں ہے۔'' سگنل پہ کار روکے' ونڈ اسکرین کے پار پر سوچ نظریں جمائے خود سے بڑبڑائی۔ ''صرف سعدی تھا۔ میں اس سے ہر بات کر سکتی تھی۔ باقی اسکول کالج کی فرینڈز ہیں مگر ان سے... ان سے وہ دل کا تعلق کبھی نہیں بن سکا۔ اور پچھلے چار سال... جب سعدی ساتھ نہیں تھا.. تو بھی میں نے کوئی نیا دوست نہیں بنایا جس کو بغیر کسی ڈر یا جھجک کے میں اپنا حالِ دل کہہ سکوں۔ میں کیا کروں؟ کس سے کہوں؟'' اس نے آنکھیں بند کر لیں' اور جب کھولیں تو خود کو اس ملاقاتی کمرے میں پایا جہاں وہ میز پہ ہتھیلیاں رکھے' کرسی پہ بیٹھی تھی اور اس کے سامنے فارس بیٹھا رہا تھا۔ وہ وہاں کیوں آئی' کیسے آئی' کیا لینے آئی' اسے کچھ معلوم نہیں تھا' بس دل نے کہا کہ یہی ٹھیک ہے تو سوچا' شاید واقعی دل ٹھیک ہو۔

''کہیے۔'' وہ سنجیدگی' مگر قدرے لاپرواہی سے اسے مخاطب کر کے بولا تو زمر ذرا چونکی۔ خالی خالی نظریں اٹھا کر فارس کو دیکھا۔ وہ باہم

انگلیاں پھنسا کر میز پر رکھے' آگے ہو کر بیٹھا اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

''مجھے کچھ سوالات پوچھنے تھے ناظم کے بارے میں۔'' اس نے اپنی فائل کھول کر سامنے رکھی' اور لہجے کو مصروف بناتے ہوئے چند نکات پوچھنے لگی۔ دوسری طرف خاموشی چھائی رہی تو زمر نے چہرہ اٹھا کر دیکھا۔ وہ پتلیاں سکیڑے' غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کے عقب میں روشن دان سے تیز سنہری دھوپ چھلک رہی تھی' اور شعاعیں فارس کے اردگرد سے نکل کر میز کو روشن کر رہی تھیں۔ ایسے میں فارس کا چہرہ تاریکی میں لگتا تھا' زمر کو بھی آنکھیں چندھیا کر اسے دیکھنا پڑ رہا تھا۔

''گھر میں سب خیریت ہے؟ آپ پریشان لگ رہی ہیں؟'' زمر نے آہستہ سے قلم کا ڈھکن بند کیا۔ چہرہ جھکائے چند لمحے سوچتی رہی۔

''میں احمر کے ساتھ اس ہوٹل تمہارے معاملے کی کھوج لگانے گئی تھی' یہ معلوم کر لیا تھا تم نے' پھر یہ بھی معلوم ہو گا کہ میں ہسپتال اپنے ڈاکٹر سے بار بار ملنے کیوں جا رہی تھی؟'' نظر اٹھا کر فارس کو دیکھا تو وہ ایک دم چونکا تھا' پھر مزید آگے ہوا۔ ''آپ نے کہا تھا روٹین کا چیک اپ ہے' ڈاکٹر آتا نہیں ہے اس لئے بار بار جانا پڑ رہا ہے' میں نے یقین کر لیا تھا' کیوں؟ کیا ہوا؟ کیا کوئی اور بات ہوئی ہے؟'' وہ ایک دم فکرمند لگا تھا۔ وہ سچ کہہ رہا تھا۔ اسے واقعی نہیں معلوم تھا۔ زمر اس کو دیکھ کر رہ گئی۔ گئے دنوں میں کیا گیا وہ ریسٹورانٹ ڈنر... موم بتی کا ٹمٹماتا شعلہ... زرتاشہ کا ذکر... وہ سب ایک دم سے درمیان میں حائل ہو گیا۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''کورٹ میں ملاقات ہو گی۔'' وہ جانے لگی' مگر اس نے تیزی سے زمر کی کلائی پکڑی۔ وہ رکی۔ نظر اٹھا کر فارس کو دیکھا جس نے صرف ابرو کے اشارے سے اسے واپس بیٹھنے کو کہا تھا' اور پھر... دور کھڑے ڈیوٹی اہلکار کو۔ ہولے سے کلائی چھڑاتی وہ واپس بیٹھی۔

''میرا ڈونیٹڈ کڈنی ضائع ہو چکا ہے۔'' خبرنامے کی خبر کی طرح اطلاع دی۔ نظریں فارس کے چہرے پہ جمی تھیں۔ وہ ایک لمحے کو بالکل لاجواب ہو گیا تھا۔

''آپ نے مجھے کیوں نہیں بتایا؟'' بولا تو آواز ہلکی تھی۔

''بتانے لگی تھی' اس رات ریسٹورانٹ میں' مگر تم نے زیادہ اہم باتوں کا ذکر چھیڑ دیا۔'' جیسے اپنے ہی زخموں پہ نمک چھڑکا۔ بس۔ درد کی ٹیسیں اٹھی تھیں۔

''زمر... میں...'' وہ جیسے کچھ کہنا چاہتا تھا مگر گہری سانس لی اور سنجیدگی و فکرمندی سے پوچھنے لگا۔ ''آپ... ڈاکٹر نے کیا کہا اب کیا ہو گا؟''

''ٹرانسپلانٹ کروانا ہے' ڈونر مل گیا ہے' وہ غریب آدمی ہے' عمر میں کافی زیادہ ہے' بہت صحت مند بھی نہیں ہے' میں اس سے بھی ملی تھی' ففٹی پرسنٹ سے زیادہ چانس ہے کہ میرا جسم اس کے گردے کو ریجیکٹ کر دے اور وہ گردہ لگتے ہی ضائع ہو جائے۔ مگر مسئلہ یہ نہیں ہے۔''

''پھر؟''

''اس آدمی کو اسی ماہ ٹرانسپلانٹ کروانا ہے' اور پھر ملک سے باہر چلے جانا ہے۔ اگر مجھے نہیں دے گا تو کسی اور کو دے دے گا۔ سارا مسئلہ ٹائم لائن کا ہے۔ اگر میں ابھی سرجری کے لئے چلی گئی... تو مجھے ریکور ہونے میں بھی اتنا وقت لگے گا... تمہارا ٹرائل متاثر ہو گا...'' بے بسی سے

فائل کی طرف اشارہ کیا۔ فارس "ہوں" کہتا پیچھے کو ہو کر بیٹھا۔ "کیا ڈونر رک نہیں سکتا؟ اس کا بندوبست ڈاکٹر نے کیا تھا یا آپ کا کوئی جاننے والا ہے؟"

"نہیں، ڈاکٹر نے ہی ڈھونڈا تھا۔ وہ نہیں رک سکتا، اس کی بھی مجبوری ہے۔ مجھے خود بھی زیادہ دیر نہیں کرنی چاہیے۔ میں دو ڈاکٹرز کے پاس گئی ہوں۔ دونوں یہی کہتے ہیں۔"

"اور آپ کو اپنی صحت کا انتخاب کرنا ہے یا میرا۔ ہے نا؟" وہ کچھ دیر بعد اسی سنجیدگی سے پوچھنے لگا۔

زمر نے اثبات میں سر ہلایا۔

"تو آپ کس کو چوز کریں گی؟"

زمر چند لمحے اسے دیکھتی رہی۔ چار سال... وہ فون کال... نکاح نامہ... موم بتی کا ٹمٹماتا شعلہ... ہیرے کی لونگ... ہر شے درمیان سے نکل گئی۔

"میں ٹرائل نہیں چھوڑ سکتی، کسی بھی قیمت پہ نہیں۔ لیکن اگر میں نے اس ڈونر کو جانے دیا تو مجھے بعد میں ڈونر کیسے ملے گا؟ فارس..." تھک کر جیسے اس نے سر جھٹکا۔ "میں زندہ رہنا چاہتی ہوں۔ کم از کم کچھ عرصہ میں جینا چاہتی ہوں۔"

وہ خاموش سا اسے دیکھے گیا۔

"تم مجھے بتاؤ، میں کیا کروں؟"

"آپ یہ ٹرانسپلانٹ مت کروائیں۔" بہت دیر بعد وہ اس کی آنکھوں پہ نگاہیں جمائے بولا تو لمحے بھر کو زمر کا دل ڈوبا۔ کوئی آس سی ٹوٹی۔ شاید اسے امید تھی کہ وہ کہے گا وہ اس کی فکر نہ کرے، اپنا علاج کروائے، مگر وہ اسے خود کو منتخب کرنے کا کہہ رہا تھا۔

"ٹھیک ہے۔" زمر نے پلکیں جھکا دیں۔

"زمر!" وہ قدرے آگے ہوا۔ شعاعیں ہنوز اس کے اطراف سے نکل کر میز پہ گر رہی تھیں اور اس کا چہرہ ابھی تک اندھیرے میں تھا۔ "میں اس لئے نہیں کہہ رہا کہ میں خود غرض ہوں۔ بلکہ وہ ڈونر... وہ صحت مند نہیں ہے، رسک بہت زیادہ ہے، پھر میں بھی آپ کے ساتھ نہیں ہوں گا، میں ادھر ہوں، گھر میں سب الگ ڈسٹرب ہیں۔ ابھی آپ سرجری والا رسک مت لیں۔" لمحے بھر کو رکا۔ زمر نے اس کی سنہری آنکھوں کو دیکھتے اثبات میں سر ہلایا۔

"آپ کی شکل سے لگ رہا ہے، آپ دل سے راضی نہیں ہیں۔" ذرا دیر بعد وہ مدھم سا بولا۔ زمر نے تردید نہیں کی۔ "آپ کو مجھ پہ اعتبار ہے؟"

"ہے مگر..."

"آپ بس مجھ پہ اعتبار کریں۔ مجھے یہاں سے نکلنے دیں۔ میرا وعدہ ہے، میں آپ کا یہ مسئلہ حل کر دوں گا۔"

Nemrah Ahmed: Official

Nemrah Ahmed: Official

''تم نہیں کر سکتے۔ڈونر اب نہیں ملے گا۔''

فارس لمحے بھر کو چپ ہوا۔''میں...'' وہ جیسے کچھ کہنا چاہتا تھا مگر پھر رک گیا۔''آپ کو ڈونر کڈنی چاہیے نا؟ میں ایک ڈونر کے بارے میں جانتا ہوں' آپ کا ٹرانسپلانٹ ہو جائے گا۔بس مجھے یہاں سے نکلنے دیں۔''وہ چونکی۔

''کون؟''اس کے ابرو اچنبھے سے اکٹھے ہوئے۔''اور تمہیں کیسے پتہ اس کا کڈنی مجھے میچ کرے گا؟''

''زمر' جس کڈنی ڈونر کو میں جانتا ہوں' اس کا کڈنی کبھی آپ کا جسم ریجیکٹ نہیں کرے گا۔یہ میرا وعدہ ہے۔پلیز!''آگے کو ہوئے' میز پہ ہاتھ رکھے' وہ قدرے بے چینی اور فکرمندی سے کہہ رہا تھا۔''آپ صرف مجھ پہ بھروسہ کریں۔کریں گی نا؟''وہ الجھ گئی تھی' فارس کس کی بات کر رہا تھا' مگر...اس نے اس کی آنکھیں دیکھیں اور پھر ساری مزاحمت' سارے شکوک دم توڑ گئے۔''ٹھیک ہے۔جب تم نکلو گے تو ہم یہ مسئلہ تب حل کر لیں گے۔''

فارس کے لبوں سے ایک اطمینان بخش سانس نکلی۔وہ اٹھ گئی تو وہ دھیرے سے بولا۔''جو کچھ میں نے اس رات ریسٹورانٹ میں کہا' وہ...''

''نہیں فارس!''زمر ایڑھیوں پہ گھومی اور ہاتھ اٹھا کر ایک دم سختی سے اسے روکا۔''اس جگہ مت جاؤ۔وہ جو بھی تھا' وہ ذاتی تھا۔وہ جہاں تھا' وہیں ہے۔اور یہ...''اس کی فائل کی طرف اشارہ کیا۔''یہ ٹیم ورک ہے۔اس میں اگر ہم امن سے کام کر رہے ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ''وہ'' سب دھندلا گیا ہے۔وہ جہاں تھا' وہیں ہے۔''تنبیہہ کر کے وہ مڑ گئی اور وہ سر جھٹک کر رہ گیا۔

Nemrah Ahmed: Official

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

خبر ہوتی اگر بعد از محبت یہ جنوں ہوگا

تو ہم رستہ بدل لیتے برے انجام سے پہلے

اس چمکیلے دن جہاں اب بھی سڑکوں اور سبزہ زاروں پہ گزشتہ روز کی بارش کا پانی ہلکا ہلکا ٹھہرا نظر آتا تھا' وہ اونچی کوٹھی اپنے ستونوں پہ کھڑی' بالکل خشک اور نکھری نکھری سی کھڑی تھی۔گیٹ کھلے تھے اور اندر دو گاڑیاں یکے بعد دیگرے داخل ہوئی تھیں۔کھٹ کھٹ' دروازے کھلے۔گارڈز نکلے۔ہاشم بھی باہر نکلا۔سن گلاسز اتارے' اور ایک طائرانہ نگاہ اطراف میں دوڑائی۔پھر سب کو وہیں رہنے کا اشارہ کرتا' تیزی سے اندرونی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

اندر لابی تھی۔پھر لاؤنج۔دیوار پہ شہری اور سونی کی بڑی سی تصویر آویزاں تھی۔اسی دیوار سے لگے صوفے پہ سونی بیٹھی' سر جھکائے' ٹیب پکڑے گیم کھیل رہی تھی۔ایک ملازمہ قریب میں الرٹ سی بیٹھی تھی۔اسے یوں آتا دیکھ کر فوراً اٹھی۔

''سونی!''بھاری آواز میں سنجیدگی سے اس نے بیٹی کو مخاطب کیا تو سونی نے چہرہ اٹھایا۔آنکھیں چمکیں۔''بابا۔''ٹیب چھوڑ کر اٹھی اور بھاگ کر اس کے پاس آئی' مگر ہاشم نہیں ہلا۔نہ ہی بچی کو گلے سے لگایا۔بس ملازمہ کو مخاطب کیا۔''سونی کا سامان کار میں رکھواؤ اور اسے بھی کار میں بٹھاؤ۔شہری کہاں ہے؟''

#NAO
www.facebook.com/nemrah.ahmed.official

ملازمہ اس غیر متوقع حکم پہ قدرے تذبذب کا شکار ہوئی۔

''وہ اپنے کمرے میں...'' ہاشم بنا کچھ کہے تیزی سے اس کے کمرے کی طرف آیا۔ دروازہ پیر کی ٹھوکر سے کھولا تو وہ جو سنگھار میز کے آئینے کے سامنے کھڑی' کانوں میں ائیر رنگ پہن رہی تھی' اکتاہٹ سے سخت سست سنانے لگی تھی مگر آئینے میں اپنے پیچھے نظر آتے ہاشم کو دیکھ کر چونکی۔ پھر پوری اس کی طرف گھومی۔ چھوٹے بالوں کی اونچی پونی بنائے' ست رنگی شرٹ سفید پینٹ پہ پہنے' وہ میک اپ لگائے' تیار نظر آ رہی تھی۔

''تم ادھر کیسے؟'' اچنبھے سے اس نے پوچھا تھا۔ ہاشم نے اپنے عقب میں دروازہ بند کیا اور تیزی سے اس کے سر پہ آ پہنچا' اسے گردن سے دبوچ کر دیوار سے لگایا۔ ائیر رنگ چھناک سے زمین پہ جا گرا۔

''ہاشم... تم کیا...'' وہ ہکا بکا اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھوں سے ہٹانے کی کوشش کرنے لگی' مگر اس کا گلا دب رہا تھا' آنکھیں ابل رہی تھیں۔

''تمہارے سیف میں نیلے رنگ کے لفافے میں ایک سی ڈی ہے۔ ہے یا نہیں ہے؟'' چبا چبا کر بولتے وہ اس پہ نظریں گاڑھے ہوئے تھا۔

''ہاشم... چھوڑو...'' اس نے مزید زور سے گلا دبایا' شہرین کا سانس رکنے لگا۔

''ہے یا نہیں؟'' سرخ آنکھوں کے ساتھ وہ غرایا تھا۔

''ہے... ہے۔ مجھے چھوڑو!'' مگر ہاشم نے ایک ہاتھ سے اس کی گردن دبوچے زور بڑھایا۔ اس کا رنگ سفید پڑنے لگا۔

''کہاں سے آئی ہے وہ تمہارے پاس؟''

''سعدی... سعدی نے دی تھی۔ مجھے چھوڑو میں بتاتی ہوں۔'' ہاشم نے ایک جھٹکے سے اس کی گردن چھوڑی۔ وہ بے اختیار لڑکھڑائی' اور پھر گردن پہ ہاتھ رکھے کھانستے ہوئے گھٹنوں کے بل بیٹھتی گئی۔ آنکھوں سے پانی بہنے لگا تھا۔ پھر چہرہ اٹھا کر صدمے اور نفرت سے اسے دیکھا۔

''تم انسان نہیں جانور ہو!''

وہ پھر اس کی طرف بڑھا تو شہری جلدی سے پیچھے کو ہٹی۔ ''سعدی... سعدی نے دی تھی۔ میں نے اس کو ایک کام کہا تھا' اس نے.... یہ رکھوائی تھی۔''

بری طرح کھانستے ہوئے وہ کہہ رہی تھی۔

تھوڑی دیر بعد جب کھانسی سنبھلی تو اس نے اٹھ کر لاکر کھولا اور اندر سے وہ نیلا لفافہ نکال کر ہاشم کو تھمایا۔

''اس میں کیا ہے؟''

''یہ encrypted ہے' اور میرے پاس اتنا وقت اور دماغ نہیں ہے کہ اسے کھولتی پھروں۔ اس نے کہا تھا اگر مجھے کچھ ہوا تو یہ میڈیا کو دے دینا۔''

''تو تم نے یہ کس کو دی تھی؟'' وہ سختی سے پوچھ رہا تھا۔

''میں نے کیا کرنا تھا کسی کو دے کر؟ ایک دو دفعہ کھولنے کی کوشش کی' نہیں کھلی تو چھوڑ دیا۔ میں تو اسے بھول بھال بھی گئی تھی' مگر تمہیں کس نے بتایا اس بارے میں؟'' ہنوز گلے پہ ہاتھ رکھے' وہ حیرت اور ناگواری سے اسے دیکھ رہی تھی۔ پھر خیال آیا۔ ''اوہ لیٹ می گیس...سعدی نے بتایا ہو گا۔''

''کیا کام کہا تھا تم نے اسے؟'' وہ بلند آواز میں گرجا۔

''نہیں بتاؤں گی۔ اور...ابھی کے ابھی یہاں سے نکل جاؤ۔'' بازو لمبا کر کے دروازے کی طرف اشارہ کرتی وہ چلائی تھی۔

''تم نے یہ ویڈیو لیک کی ہے شہری' اور میں یہ جانتا ہوں۔ مگر میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گا ابھی' کیونکہ تم سے بڑے مسائل ہیں فی الحال میرے پاس۔ لیکن اس کے بعد...'' ویڈیو والا پیکٹ ہاتھ میں ہلاتے' تنبیہہ کرتے بولا تھا۔ ''اس کے بعد میں تمہیں دیکھ لوں گا' اور اس دفعہ میں تمہیں کوئی رعایت نہیں دوں گا۔''

''گیٹ آؤٹ!'' وہ بے بسی سے چلائی۔ ہاشم ایک سخت نظر اس پہ ڈالتا باہر نکل گیا۔

ہم ہیں وہ ٹوٹی ہوئی کشتیوں والے تابش

جو کناروں کو ملاتے ہوئے مر جاتے ہیں

راستے میں اس نے سونیا سے کوئی بات نہیں کی۔ سنجیدہ چہرے کے ساتھ کھڑکی سے باہر دیکھتا رہا۔ سونی کو گھر ڈراپ کر کے وہ آفس آیا اور ایک آئی ٹی کے لڑکے کو بلایا۔ دس منٹ بھی نہیں لگے اسے انکرپشن کو کھولنے میں۔ اور جب وہ کھلی تو اندر ایک ہی ویڈیو تھی۔ جج کی ویڈیو۔ تاریخ اسٹیمپ بھی کوئی ڈیڑھ پونے سال پرانی تھی۔ سعدی نے یہ واقعی انہی دنوں شہری کو دی تھی۔

''سو فارس نے ویڈیو لیک نہیں کی تھی۔ شہری نے کی تھی۔'' وہ اب آفس میں خاموش بیٹھا سوچ رہا تھا۔ ''اور اس کے بعد شہری میرے پاس آئی تھی' کمپنی میں شیئرز کی بات کرنے۔ سعدی سچ بول رہا تھا۔''

اس نے میز پہ رکھی ایک دوسری فائل کھولی۔ اندر چند کاغذات رکھے تھے۔ ہر وہ شے جو ریس ڈھونڈ سکا تھا خاور اور ڈاکٹر کے تعلقات کے بارے میں۔ سعدی یہاں بھی سچا تھا۔ ہاشم پیشانی کو مسلتے' بند آنکھوں سے کتنی ہی دیر کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے بیٹھا رہا۔ پھر فون اٹھایا۔ نمبر ملا کر سعدی سے بات کروانے کو کہا۔

''کہو ہاشم۔ میری یاد کیسے آئی؟''

''تم سچ کہہ رہے تھے۔'' وہ تھکان سے بولا تو دوسری طرف سعدی نے بے اختیار تھوک نگلا۔

''تمہاری دونوں باتیں سچ تھیں۔ میرے ساتھ میرے اپنوں نے دھوکہ کیا ہے۔''

''کوئی گھنٹی بجی؟''

''ہاں بچ رہی ہے' عرصے سے بج رہی ہے۔ میں اپنی بیٹی سے بات نہیں کر پا رہا' میرا اپنے باپ سے بہت گہرا رشتہ تھا' کسی نے ایک ہی وار میں ختم کر دیا۔ سوچتا ہوں' میری بیٹی سے بھی کوئی مجھے چھین لے گا' وہ کیسے سروائیو کرے گی؟''

''تمہیں یہ سب بہت پہلے سوچنا چاہیے تھا۔ اب بہت دیر ہو چکی ہے۔'' وہ بے زاری سے بولا تھا۔ ہاشم کتنے ہی لمحے خاموش رہا۔ کرسی سے ٹیک لگائے' آنکھیں موندے' فون کان سے لگائے، وہ گہرے دکھ کے زیرِ اثر تھا۔

''کیا کوئی نجات کا راستہ ہے سعدی؟ کیا میرے لئے کوئی معافی' اور توبہ کا راستہ ہے؟''

سعدی کو آگ لگ گئی تھی۔ ''تم جیسے لوگوں کے لئے کوئی معافی' کوئی توبہ نہیں ہوتی۔ اللہ تمہیں کبھی معاف نہیں کرے گا۔ قتل معاف نہیں ہوا کرتا۔''

''اچھا۔'' وہ ہلکا سا ہنسا۔ ''تمہارا خدا اتنا ظالم ہے کیا؟''

''ہاں وہ ظالموں کے لئے شدید العقاب ہے۔ اتنی زندگیاں تباہ کر کے تم معافی اور توبہ کی امید نہیں رکھ سکتے۔''

''کیا میرے لئے کوئی اچھائی کا راستہ نہیں ہے؟ کیا میں اس دلدل سے نہیں نکل سکتا؟ کیا تمہارے خدا کے پاس ذرا سی گنجائش بھی نہیں ہے میرے لئے؟''

''نہیں ہے۔ سن لیا تم نے؟ نہیں ہے۔'' وہ چلایا تھا۔ اندر بہت کچھ ابلنے لگا تھا۔

''کیا تم میرے لئے دعا کرو گے سعدی؟ کہ میرے لئے کوئی راستہ نکل آئے؟ اس گلٹ' اس دلدل' ان جرائم سے نکلنے کا راستہ؟'' وہ آنکھیں بند کیے مدھم اور گیلی آواز میں کہہ رہا تھا۔

''تم جیسا دل کا اندھا آدمی اس قابل نہیں ہے کہ کوئی تمہارے لئے دعا کرے۔'' اور کھٹ سے فون بند کر دیا گیا۔ ہاشم نے سست روی سے فون میز پہ ڈال دیا۔

دوسری طرف سعدی فون پٹخ کر کمرے میں ادھر ادھر ٹہلنے لگا تھا۔ غصے سے اس کا چہرہ گلابی ہو رہا تھا۔ دماغ کھول رہا تھا' مگر سکون... سکون نہیں مل رہا تھا۔ اس نے ٹھیک کہا تھا جو کہا تھا' مگر... پھر کون سی آواز تھی جو بار بار ذہن پہ دستک دینے لگی۔ جب اس نے ذہن کے کواڑ بند کر لئے تو وہ دل کو کھٹکھٹانے لگی' اور دل کے کھٹکے سے پیچھا چھڑانا ناممکن تھا۔ وہ مضطرب سا بیڈ کے کنارے بیٹھا اور سر دونوں ہاتھوں میں گرا لیا۔

آواز اب بلند ہوتی گئی۔ قرآن کی... سورۃ عبس!

''وہ ترش رو ہوا

اور منہ پھیر لیا

کہ اس کے پاس آیا ایک اندھا

اور کیا چیز سمجھائے تجھ کو

شاید کہ وہ سدھر جائے

یا نصیحت پکڑ لے

اور فائدہ دے اس کو نصیحت"

مختلف آیات ضمیر پہ کوڑے برسانے لگیں۔

"بلکہ بے شک وہ (قرآن) تو ایک نصیحت ہے

تو جو کوئی چاہے، یاد کرے اس کو

جو مکرم صحیفوں میں ہے

بلند اور پاکیزہ ہیں۔

ہاتھوں میں ہیں لکھنے والوں کے

جو معزز ہیں، نیک ہیں!"

"نہیں اللہ تعالیٰ!" اس نے سر اٹھا کر بے بسی بھرے غصے سے اوپر دیکھا۔

"اتنا سب کچھ ہونے کے بعد... میرا خاندان، ہماری زندگیاں برباد ہونے کے بعد بھی آپ مجھے کیسے بتا سکتے ہیں کہ اس کی معافی اور توبہ کی امید.....؟ نہیں؟... ہرگز نہیں!" وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے بار بار اس بات کو جھٹلا رہا تھا۔

Nemrah Ahmed: Official

"شاید کہ وہ نصیحت پکڑ لے... شاید کہ... شاید کہ...." الفاظ ذہن پہ ہتھوڑے برسا رہے تھے۔ بالآخر وہ اٹھا اور گارڈ کو آواز دی۔

چند لمحوں بعد وہ اپنے کمرے کے کونے میں زمین پہ اکڑوں بیٹھا فون کان سے لگائے سر جھکائے ہوئے تھا۔

"بولو سعدی۔ کیا کہنا رہ گیا تھا؟" اس کے لہجے میں تکان اب بھی تھی۔

"جب میں نے قرآن پڑھنا شروع کیا تھا تو ایک بات پہ میں سخت الجھن کا شکار رہتا تھا۔"

"سعدی..."

"میری بات سنو۔ میں کبھی پریشان، کبھی خفا، اور کبھی متحیر رہ جاتا تھا کہ وہ کتاب جس میں اللہ مجھ سے بات کر رہا ہے، جس کا موضوع "انسان" ہے، اور جو اربوں کھربوں انسانوں کے لئے قیامت تک کے لئے سب سے بڑا انور، سب سے بڑی سپورٹ ہے، اس میں تو اللہ اور انسان کی بات ہونی چاہیے نا۔ پھر یہ ہر چند ورق الٹنے کے بعد... بار بار... موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کیوں آ جاتا ہے؟ اچھا ٹھیک ہے، وہ کلیم اللہ تھے، اللہ سے باتیں کرتے تھے، فرعون کے سامنے کلمہ حق کہا تھا، اپنی قوم کے لیے لڑے تھے، مگر ہمیں اچھے سے یاد ہیں نا یہ واقعات، پھر اللہ کیوں، کیوں ہر چند منٹ بعد آپ فرماتے ہیں کہ یاد کرو موسیٰؑ کو اور فرعون کو۔ دنیا کی سب سے بڑی کتاب میں سب سے زیادہ جس انسان کا نام لیا گیا، وہ موسیٰؑ ہیں۔ اتنی دفعہ بار بار... کیوں؟ میں اکثر اللہ سے یہ سوال پوچھتا تھا، اور مجھے اس کا جواب قید کے ان چند ماہ میں

مل گیا ہے۔" وہ سر جھکائے کہے جا رہا تھا۔

"موسیٰ علیہ السلام پتہ ہے کون تھے؟ وہ بہت بڑے دل کے مالک تھے۔ ان کے ساتھ فرعون نے جو بھی کیا' ان کی قوم کے مردوں کو جس طرح ذبح کیا' ان کا اور ہارون علیہ السلام کا مذاق اڑایا' ان کو جادوگر کہا' ان کے معجزے دیکھ کر بھی ایمان نہ لایا اور پھر جب یکے بعد دیگرے سات قسم کے عذابوں میں فرعون مبتلا ہوا تو ہر عذاب اترنے پہ وہ موسیٰ علیہ السلام کو کہتا تھا... موسیٰ..." اس کی آواز نم ہوئی۔

"اے موسیٰ... دعا کرو ہمارے لئے اپنے رب سے کہ وہ اسے ٹال دے ہم سے تو پھر ہم ایمان لے آئیں گے۔ موسیٰ ہر دفعہ دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیا کرتے تھے' مگر وہ لوگ آفات ٹلنے کے بعد بھی ایمان نہیں لایا کرتے تھے۔ تو پتہ ہے کون تھے موسیٰ؟ وہ بہت بڑے دل کے' بہت عظیم انسان تھے۔ ان کا ظرف بہت بڑا تھا۔ انہوں نے انتہا تک پہنچنے کے باوجود فرعون پہ give up نہیں کیا تھا' اس کو امید دکھانا نہیں چھوڑی تھی۔ اسی لئے وہ موسیٰ تھے۔ اسی لئے ان کا ذکر ہمیشہ کے لئے امر رہے گا۔" آنکھیں بند کیے گہری سانس اندر کھینچی۔

"مگر میں ہاشم! میں موسیٰ نہیں ہوں۔ میرا اتنا ظرف اور اتنا دل نہیں ہے کہ میں تمہارے لئے دعا کروں۔ جو کچھ تم نے میرے بہن کے بارے میں کہا' جو جانیں تم نے لیں' اس کے بعد میں تمہارے لئے دعا نہیں کر سکتا۔ مگر ہاں... راستہ ہے۔"

دوسری طرف بالکل خاموشی تھی۔ اسے محض ہلکی ہلکی ہاشم کے تنفس کی آواز آرہی تھی۔ "اگر تم نے سو قتل بھی کیے ہوتے' تب بھی راستہ ہے۔ اللہ ہر چیز معاف کر سکتا ہے۔ ہر گناہ' ہر قتل' ہر شرک!"

"جب تم میرے آفس میں آئے تھے تو تم نے کہا تھا کہ قتل کے بارے میں دو مسالک ہیں' اور تم اسکے ساتھ ہو جو کہتا ہے کہ قتل معاف نہیں ہوتا۔"

"میں اب بھی اسی کے ساتھ ہوں مگر وہ ان لوگوں کے بارے میں ہے جو توبہ کیے بغیر مر جاتے ہیں۔ ایک گروہ کہتا ہے اگر وہ مشرک نہیں تھے تو اللہ روزِ قیامت ان کو معاف کر دے گا' دوسرا کہتا ہے' کہ نہیں' اگر انہوں نے توبہ نہیں کی تھی تو معاف نہیں ہوں گے۔ لیکن تم ابھی زندہ ہو... اگر تم توبہ کر لو تو تمہارا ہر گناہ معاف ہو جائے گا۔"

"اور کیا مجھے خود کو قانون کے حوالے کرنا پڑے گا؟ سارہ اور فارس اور زمر سے معافی مانگنی پڑے گی؟"

سعدی نے تکلیف سے آنکھیں میچیں۔ اگلے الفاظ کہنا زیادہ کٹھن تھا۔

"تمہارا پہلا معاملہ اللہ کے ساتھ ہے۔ ایکسپوز ہونے سے پہلے توبہ کر کے تم اپنا معاملہ ٹھیک کر سکتے ہو۔ اگر اللہ تمہیں معاف کر دے تو وہ لوگوں کے دلوں میں سے تمہارے لئے نفرت اور دشمنی خود بخود نکال دے گا۔"

"بس؟" ہاشم نے کرسی کی پشت سے سر ٹکائے اچنبھے سے ابرو اچکائے۔ "کیا یہ اتنا آسان' اتنا سادہ ہے؟"

"یہ منحصر ہے اس پر کہ تم توبہ کو کیا سمجھتے ہو۔ توبہ صرف گلٹ محسوس کرنے اور آئی ایم سوری کہہ دینے کا نام نہیں ہے۔ یہ راستہ بدلنے کا نام ہے۔ تمہیں تمام غلط کام چھوڑنے ہوں گے۔ ایک اچھا آدمی بننے کی کوشش کرنی ہوگی۔ راستہ درست کرنا ہوگا۔ سو قتل کرنے والے کو عالم نے

صرف یہ نہیں کہا تھا کہ تمہاری معافی ہو سکتی ہے' بلکہ یہ بھی کہا تھا کہ جا کر فلاں بستی میں رہو' وہ نیک لوگوں کی بستی ہے' تا کہ وہ شخص اپنی اصلاح کر سکے۔ تمہیں اپنے wrongs کو right کرنا ہوگا۔ جن کی زندگیاں تباہ کی ہیں' اب ان کی زندگیاں جوڑو۔ اس ملک کے لئے کچھ کرو۔ اپنے اربوں روپے کے بجلی کے بل جو تم لوگوں نے کئی سال ادا نہیں کیے' ادا کرنا شروع کرو۔ نیکیاں برائیوں کو مٹاتی ہیں۔ اگر انسان بڑے گناہ چھوڑ دے تو اس کی چھوٹی چھوٹی بری عادتیں اللہ خود چھڑوا دیتا ہے۔ لیکن اگر تم یہ نہیں کرتے' اور اپنے گناہوں کو جسٹی فائی کرتے رہتے ہو' اگر تمہیں صرف افسوس ہے اپنے گناہوں پر مگر شرمندگی نہیں ہے' غور سے سنو' افسوس اور شرمندگی دو الگ چیزیں ہیں اور اگر تمہیں شرمندگی نہیں ہے' تو تم کبھی اپنی اصلاح نہیں کرو گے اور اصلاح کے بغیر توبہ نہیں ہوتی۔ سو قتل کرنے والا ابھی اصلاح نہیں کر سکا تھا مگر وہ اس راستے پہ چل پڑا تھا جو نیک لوگوں کی بستی کی طرف جاتا تھا۔ سو اگر تم لوگوں سے اپنے مظالم کی معافی مانگتے ہو' اور وہ تمہیں معاف نہیں کرتے' تو بھی... تمہاری کوشش دیکھی جائے گی اگر انسان واقعی نادم ہو اور خود کو بدلنا چاہتا ہو اور اس کے لئے کوشش بھی کرے تو کوشش کی ناکامی یا کامیابی نہیں دیکھی جائے گی' صرف کوشش دیکھی جائے گی۔ سو کوشش کرو' اور میں بھی کوشش کروں گا کہ تمہارے لئے دعا کر سکوں۔'' اور یہ کہتے ہوئے اس نے آہستہ سے فون بند کر دیا۔ پھر وہیں گھٹنوں میں سر دیئے' آنکھیں بند کیے' اندھیرے میں بیٹھا رہا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ چاہتا تھا کہ دیکھے مجھے بکھرتے ہوئے سو

اس کا جشن بصدِ اہتمام میں نے کیا

سرما کی ایسی ہی ایک دوپہر میں دھوپ کمرہ عدالت کی کھڑکیوں سے چھن چھن کر اندر گر رہی تھی۔ راہداریوں سے آتے شور میں بند دروازوں کے باعث قدرے کمی محسوس ہوتی تھی۔ جج صاحب اپنے اونچے بینچ کے پیچھے بیٹھے' سامنے دیکھ رہے تھے۔ جہاں دائیں طرف سیاہ کوٹ میں ملبوس زمر بیٹھی تھی اور مسلسل دو انگلیوں سے کان کی لو مسلتا' فارس۔ سنہری آنکھیں سکیڑ رکھی تھیں۔ تازہ شیو بنی تھی۔ بال بھی تازہ کٹے تھے' اٹھی مغرور ناک اور پیشانی پہ ہلکا سا بل لئے' وہ ازلی بے زار بیٹھا تھا۔ البتہ آج اس نے سفید شرٹ پہ سیاہ کوٹ پہن رکھا تھا۔ زمر کے اصرار کے باوجود وہ ٹائی پہننے پہ راضی نہیں ہوا تھا۔ اب بھی دوسری میز کے پیچھے کھڑے پراسیکیوٹر کو بولتے اور جج کو بغور سنتے دیکھ کر وہ استہزائیہ مایوسی سے سر جھٹک کر منہ میں کچھ بڑبڑایا تھا۔ "You lawyers!" زمر نے گردن موڑ کر اس پہ ایک گہری نظر ڈالی۔ وہ ناخوش لگتا تھا۔ پھر وہ کھڑی ہوئی۔ بال ہاف کیچر میں باندھے' زرد چہرے مگر اٹھی گردن کے ساتھ وہ کہنے لگی۔

''مجھے کچھ کہنا ہے یور آنر۔ آئی ایم سوری پراسیکیوٹر صاحب...'' دونوں ہاتھ اٹھا کر اس سے معذرت کی جو ابرو بھینچ کر اسے روکنے ہی لگا تھا۔

''مجھے ابھی نہیں بولنا چاہیے' مگر اتنی پروفیشنل کرٹسی تو آپ مجھے دکھائیں گے کہ اگر میں ابھی بطور ایک انسان کچھ کہنا چاہوں' کیونکہ اپنی باری پہ اپنے دلائل میں' میں جو کچھ کہوں گی وہ بطور ایک وکیل کے ہوگا تو آپ پانچ منٹ تو مجھے دے ہی دیں گے۔''

پراسیکیوٹر عمران نے سر کو خم دیا' اور واپس بیٹھ گیا۔ جج صاحب نے زمر کو بات جاری رکھنے کی اجازت دی تو وہ اسی طرح اٹھی گردن کے

#NAO www.facebook.com/nemrah.ahmed.official

ساتھ مضبوط ہموار آواز میں کہنے لگی۔

"میں ایک وکیل ہوں' اور میں ایک پراسیکیوٹر رہی ہوں' پبلک پراسیکیوشن آفس ایک بھاری ذمہ داری کا نام ہے' جس کو میں نے کئی سال اٹھایا ہے۔ انسان کے سر پہ جتنی بھاری ذمہ داری ہوتی ہے' اتنی زیادہ اس کی پوچھ ہوتی ہے۔ مگر ایک پراسیکیوٹر سے پہلے میں ایک انسان بھی ہوں' اور بطور ایک گواہ' نہ کہ ایک وکیل میں نے..." جج صاحب کو دیکھتے ہوئے وہ بولی تو آواز لمحے بھر کو کانپی۔ "فارس طہیر غازی کو ساڑھے چار سال پہلے جیل بھجوایا تھا۔"

کان کی لو مسلتا' وہ بے نیاز بے زار بیٹھا شخص ایک دم چونک کر اسے دیکھنے لگا۔ وہ کہہ رہی تھی۔

"کیونکہ میرے نزدیک وہ ایک مجرم تھا۔ مگر یہ میری غلطی تھی۔ جج منٹ کی غلطی۔ اور ہم میں سے ہر ایک ایسی غلطیاں کسی نہ کسی کیس میں کر چکا ہے' مگر اس کے باوجود میری غلطی جسٹی فائی نہیں کی جا سکتی۔ میں... غلط تھی جب میں نے فارس غازی کو بلیم کیا تھا۔ دو ماہ قبل مجھے معلوم ہوا کہ فارس غازی بے گناہ تھا' اس کیس میں وہ کسی بھی جرم میں ملوث نہیں تھا..."

وہ آہستہ سے سیدھا ہو کر بیٹھا۔ بنا پلک جھپکے' وہ گردن اٹھائے بس اسے دیکھ رہا تھا۔ اب وہ میز کے پیچھے سے نکل کر جج کے چبوترے کے سامنے جا کھڑی ہوئی تھی۔ ایسی جگہ جہاں کھڑکی سے چھن کر گرتی سورج کی روشنی بہت تیز پڑ رہی تھی۔

"...میں نے دو ماہ قبل یہ جانا کہ وہ صحیح تھا اور میں غلط تھی' اسی لئے آج میں یہ اعتراف اس جگہ کھڑے ہو کر کرنا چاہتی ہوں تاکہ یہ لکھا جائے..." ایک نظر سامنے بیٹھے کورٹ رپورٹر پہ ڈالی جو کھٹا کھٹ ٹائپ کیے جا رہا تھا۔ "اور یہ اس کیس کی فائلز میں ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا جائے' کیونکہ ایک دفعہ مجھ سے فارس غازی نے پوچھا تھا کہ اگر میں نے یہ جان لیا کہ وہ بے گناہ ہے تو میں کیا کروں گی؟" گردن موڑ کر اس نے اسی اٹھی گردن کے ساتھ فارس کو دیکھا۔ "تو میرا جواب یہ ہے کہ میں یہی کروں گی! میں اس کے ساتھ کھڑی ہوں گی اور اس کو انصاف دلاؤں گی۔" وہ روشنی میں کھڑی تھی' تیز روشنی میں' اور اس کے بھورے بال چمک کر اخروٹی لگ رہے تھے' اور جب اس نے چہرہ موڑ کر فارس کو دیکھا تو بھوری آنکھیں سنہری دکھی تھیں۔ وہ بالکل خاموش سا اسے دیکھے گیا۔ گردن میں گلٹی سی ڈوب کر ابھری تھی۔

پراسیکیوٹر سے مزید برداشت نہیں ہوا تو اٹھا۔ "مسز زمر آپ سب کچھ ابھی کہہ دیں گی تو اوپننگ آرگومنٹ میں کیا کہیں گی؟ جج صاحب' مسز زمر کی بات بجا ہے' مگر عدالت کو یہ امر مدنظر رکھنا چاہیے کہ وہ فارس غازی کی بیوی ہیں' اور ہر محبت کرنے والی بیوی کی طرح..."

"مجھے اپنے شوہر سے کوئی محبت نہیں ہے۔" وہ مڑے بغیر جج صاحب کو دیکھتے ہوئے اسی اٹھی گردن کے ساتھ اسی روشنی کے ہالے میں کھڑی بولی تھی۔ "نہ پہلے تھی نہ اب ہے۔ اِن فیکٹ میں اپنے شوہر کو پسند بھی نہیں کرتی' اور بہت دفعہ میں اپنے شوہر کو جان سے مار دینا چاہتی تھی..." (وہ ہلکا سا مسکرایا) "اِن فیکٹ گرفتار ہونے سے ایک دن پہلے وہ مجھے طلاق دینے کی بات کر رہا تھا..." (فارس نے قدرے غیر آرام دہ سا پہلو بدلا) "مگر یہ فیملی کورٹ نہیں ہے جہاں ہم کھڑے ہو کر ذاتیات کے بارے میں بات کریں' اور ایک دوسرے کے اوپر کیچڑ اچھالیں' نہ میں ایسی عورت ہوں' مگر یہ سب کہنے کا مقصد صرف اتنا تھا کہ ٹرائل کے دوران میری کہی کسی بات کو "شوہر کے دفاع" کے زمرے میں

#NAO
www.facebook.com/nemrah.ahmed.official

لینے کی بجائے موکل کا دفاع سمجھا جائے۔ تھینک یو یور آنر۔'' سر جھکا کر شکریہ ادا کیا۔ وہ تیز روشنی میں کھڑی تھی' چمکتی ہوئی' جیسے سونے کے پتنگے آس پاس گر رہے ہوں۔ نہ کوئی ٹوٹا بکھرا وجود تھا' نہ آنکھوں میں آنسو' نہ ندامت سے جھکا سر... نہ معافی کے لئے ہاتھ بندھے تھے' مگر اعترافِ جرم بھی کرلیا تھا' اعترافِ ندامت بھی ہوگیا تھا۔ سر بھی اٹھا رہا تھا' کیونکہ... فارس غازی نے سوچا تھا... وہاں نیت صاف تھی۔ جو بھی کیا تھا' سچ کا ساتھ دینے کے لئے کیا تھا۔ پہلے بھی۔ اب بھی۔

''اب پراسیکیوٹر صاحب' بڑے آرام سے دلائل کا آغاز کرسکتے ہیں' جن کے بعد ایسے لگے گا جیسے میرا کلائنٹ قمر الدین چودھری کے ساتھ ساتھ نائن الیون حملے میں بھی ملوث تھا۔'' وہ سادگی سے کہہ کر واپس آ بیٹھی۔ کمر کرسی کی پشت سے لگائی' ٹانگ پہ ٹانگ جمائی' گردن موڑ کر فارس کو دیکھا۔ اس کے تاثرات بدل چکے تھے۔ وہ ان چند لمحوں میں بہت سی کیفیات سے ایک دم گزر گیا تھا۔

''مجھے افسوس ہے کہ میں اپنے اعتراف سے تمہیں خوش نہیں کرسکی' نہ میں روئی' نہ پیروں میں گری' نہ ہاتھ جوڑے۔'' دھیرے سے بولی۔ وہ بس اسے دیکھے گیا۔ وہ اس وقت کیا محسوس کر رہا تھا' وہ بیان نہیں کرسکتا تھا۔ پر وہ سامنے دیکھنے لگا۔ پراسیکیوٹر دلائل کا آغاز کر چکا تھا۔ فارس کی آنکھیں ادھر جمی تھیں' مگر گردن کی گلٹی بار بار ظاہر ہو کر معدوم ہوتی تھی۔

''آپ کو کب معلوم ہوا؟'' وہ اب بھی سامنے دیکھ رہا تھا۔ اسے واقعی نہیں اندازہ تھا۔

''جس رات مجھے ایستھما اٹیک ہوا تھا۔'' وہ بہت دھیما بول رہی تھی۔

فارس نے نگاہیں موڑ کر اسے دیکھا۔ سنہری آنکھیں بھوری آنکھوں میں دیکھتی رہیں۔ چند لمحے۔ چند سانسیں۔ جیسے وہ بہت کچھ کہنا چاہتا تھا۔ مگر.... بولا تو صرف اتنا۔

''کیا میں آپ کو ''تم'' کہہ کر بلا سکتا ہوں؟''

زمر لمحے بھر کو لاجواب ہوئی۔ پھر خفگی سے گردن کڑائی۔ ''ہرگز نہیں۔''

وہ ہلکا سا مسکرا کر اس کی طرف جھکا۔ اور تابعداری سے سر کو خم دیا۔ ''ٹھیک ہے' جیسے تم چاہو!''

اب اگر وہ ڈسٹرکٹ کورٹ کا کمرہ نہ ہوتا اور ان کے پیچھے وکلاء نہ بیٹھے ہوتے تو زمر یوسف کی ہیل فارس غازی کے پیر کو بتاتی کہ اس کے چاہنے کا کیا مطلب ہوتا ہے۔ مگر... وہ خفگی سے سر جھٹک کر سامنے دیکھنے لگی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ان کے بھی قتل کا الزام ہمارے سر ہے

جو ہمیں زہر پلاتے ہوئے مر جاتے ہیں

کولمبو کی بھیگی فضاؤں میں اس رات بارش نے مزید نمی گھول دی تھی۔ کرنل خاور مظاہر حیات نے جب ہوٹل کی لابی میں قدم رکھا تو اس کا کوٹ نم تھا' اور بال قدرے بھیگے ہوئے تھے۔ اپنے تنومند جسم پہ کوٹ کے کالر برابر کرتا وہ ریسپشن تک آیا اور شناسا سا انداز میں ریسپشنسٹ

سے پوچھا۔

''ہاشم کاردار کون سے روم میں ہیں؟'' جب وہ لڑکی اسے مطلوبہ معلومات فراہم کر رہی تھی تو اس کی پشت پہ دیوار پہ آویزاں باکسز کی چمکتی دھات میں خاور کا عکس جھلک رہا تھا۔ قدرے بھاری مگر فٹ جسامت کا حامل' اونچا لمبا سا آدمی' جس کے بال کریو کٹ میں کٹے تھے' ایرانی طرز کی سیاہ مونچھیں تھیں' اور گھنے ابرو تلے سیاہ' گہری آنکھیں۔ پیشانی پہ مستقل پڑے دو بل' اور گندمی رنگت۔ دیکھنے میں وہ پینتالیس سے اڑتالیس سال کا لگتا تھا اور کم و بیش یہی اس کی عمر تھی۔

چند گھنٹے قبل ہاشم نے اسے کال کر کے جلد از جلد کولمبو پہنچنے کی ہدایت کی تھی۔ وہ کراچی میں جن کاموں میں پھنسا تھا' ان سب کو چھوڑ کر فوراً ادھر آ پہنچا تھا اور اب لفٹ کی طرف بڑھتے ہوئے وہ یقیناً اس امر کے بارے میں سوچ رہا تھا جو ہاشم نے اس سے ڈسکس کرنا تھا۔ ہاشم نے کہا تھا' بات اہم تھی۔ خاور متجسس تھا اور پر جوش بھی۔ جو بھی مسئلہ ہوا' وہ اسے حل کر لے گا۔ ہاشم کے لئے' وہ سب سنبھال لے گا' کیونکہ صرف وہی تھا۔ جو ہاشم کے تمام مسئلے سنبھالتا آیا تھا۔

کمروں کے بند دروازوں سے سجی راہداری میں وہ مطلوبہ دروازے تک رکا' بیل بجائی۔ پھر دیکھا' دروازہ قدرے کھلا تھا۔ اس کے ابرو اکٹھے ہوئے۔ آنکھوں میں اچنبھا ابھرا۔ احتیاط سے دروازہ دھکیلا۔ ایک ہاتھ بیلٹ میں اڑستے پستول پہ رینگ گیا۔

پٹ کھلتا گیا۔ کمرہ خالی تھا۔ صرف ایک زرد لیمپ جل رہا تھا۔ خاور نے ادھر ادھر گردن گھمائی۔ ایک طرف دیوار گیر کھڑکی تھی۔ جس کے شیشے پہ پانی کی بوندیں تڑاتڑ برس رہی تھیں۔ اس کے سامنے کرسی ڈالے ہاشم بیٹھا تھا۔ خاور نے اطمینان سے سانس خارج کی' جیب تک رینگتا ہاتھ سیدھا ہو گیا۔ وہ ''سر'' کہتا قریب آیا۔ ہاشم کی اس طرف پشت تھی۔ آہٹ پہ بغیر چونکے سر موڑا' اسے دیکھا' ہلکا سا مسکرایا اور اٹھا۔ مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھایا جسے خاور نے گرمجوشی سے تھاما۔

''سب ٹھیک ہے' سر؟'' خاور کو وہ دیکھنے میں بالکل نارمل لگا تھا۔ (اہم مسئلہ؟)

''یس۔ آف کورس!'' ہاشم نے مسکرا کر سر کو خم دیا۔ ہاتھ ملا کر چھوڑا۔

''میرا دل چاہ رہا تھا میں کسی سے بات کروں۔ سو تمہیں بلا لیا۔'' کہتے ہوئے وہ ساتھ رکھی میز تک آیا۔ سیاہ پینٹ پہ سلور گرے شرٹ پہنے' اور کف کہنیوں تک موڑے' وہ ریلیکسڈ لگ رہا تھا۔ دو گلاسوں میں اس نے مشروب انڈیلا' ایک خاور کو تھمایا' دوسرا خود تھامے سامنے آ کھڑا ہوا۔ گلاس بلند کیا۔

''کس کے نام؟'' خاور نے اپنا گلاس بلند کرتے پوچھا۔

''جولیس سیزر کے نام!'' اس نے خاور کے گلاس سے گلاس ٹکرایا' پھر اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتا واپس کرسی پہ آ بیٹھا۔ ٹانگ پہ ٹانگ جما کر رخ کھڑکی کی طرف موڑے' گھونٹ بھرا۔

خاور اس کے سامنے ذرا ترچھی کر کے کرسی پہ بیٹھا۔ قدرے آگے کو ہوئے۔ الرٹ اور سپ لیا۔ تابعدار آنکھیں ہاشم پہ جمی تھیں جو شیشے پہ

#NAO
www.facebook.com/nemrah.ahmed.official

برستی بوندیں دیکھ رہا تھا۔

''جولیس سیزر... رومن ڈکٹیٹر... آج کل میں اس کے بارے میں اکثر سوچتا ہوں۔'' گھونٹ بھرتے ہوئے باہر دیکھتے وہ کہہ رہا تھا۔

''چوالیس سال قبل از مسیح... پندرہ مارچ کے دن... سیزر کے اوپر اس کے اپنے سینیٹرز نے حملہ کیا تھا' اور ان میں شامل تھا' مارکس جونیئر بروٹس... سیزر کا دوست' اور protege۔ کہتے ہیں پہلے سیزر جوانمردی سے لڑا مگر جب اس نے...'' نگاہیں یک ٹک باہر جمائے' گلاس لبوں سے لگا کر نیچے کیا۔ ''جب اس نے بروٹس کو دیکھا تو اس نے دکھ سے کہا۔

"Et tu Brute? Then Fall , Caeser"

''تم بھی بروٹس؟ تو پھر ڈھے جاؤ سیزر۔ اور یہ کہہ کر وہ ڈھے گیا۔' ایک اور چھوٹا سا گھونٹ بھرنے کو وہ رکا۔ ''Et tu Brute... لاطینی زبان کا وہ ننھا سا فقرہ جو انگریزی میں "You too Brutus" کہلاتا ہے' اس کو شہرت شیکسپیئر کے قلم سے ملی... ورنہ خاور.. اگر شیکسپیئر یہ فقرہ اپنے پلے میں جولیس سیزر کو بولتے نہ دکھاتا تو کون جان پاتا اس فقرے کو۔ مگر جانتے ہو' لوگ اس کا مطلب ٹھیک سے نہیں سمجھتے۔ قیاس کرتے ہیں کہ یوٹو بروٹس کا مطلب ہے کہ سیزر دکھ سے ''یعنی کہ تم بھی بے وفا نکلے بروٹس؟'' کہہ رہا تھا' مگر یہ ایک نامکمل معنی ہے۔''

خاور نے درمیان میں کئی دفعہ لب کھولے' اور پھر ادب سے بند کر دیے۔ وہ اس بے کار کہانی کو تحمل سے آخر تک سن سکتا تھا۔ مگر جانے اس نیم روشن' شاہانہ بیڈروم کی نرم گرم فضا میں ایسا کیا تھا... جو ٹھیک نہیں تھا۔ وہ اندر سے الجھتا خاموشی سے گھونٹ بھرتا رہا اور اسے سنتا رہا۔ وہ کہہ رہا تھا۔

''Suetonius کہتا ہے کہ لوگ کہتے ہیں سیزر کے آخری الفاظ تھے ''کائے سے تیکنون؟'' یعنی ''تم بھی' بچے؟'' کچھ یہ بھی کہتے ہیں کہ اس نے کہا تھا' تم بھی میرے بچے؟'' وہ ہلکا سا ہنسا۔ ''تاریخ دان یہ بھی کہتے ہیں کہ بروٹس' سیزر کا ناجائز بیٹا تھا۔ خیر...'' کھڑکی کو دیکھتے شانے اچکائے۔ خاور اب دھیان سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''اس زمانے میں قدیم روم میں' ایک محاورہ بولا جاتا تھا۔ ''تم بھی میرے بچے' طاقت کا مزہ چکھو گے''۔ شاید سیزر بھی یہی کہہ رہا تھا جب اس نے کہا' تم بھی بروٹس'.. تم بھی تاج پہنو گے۔ یہ دکھ کا اظہار نہیں تھا۔ یہ ایک بددعا تھی۔'' اب کے نگاہیں خاور کی طرف پھیریں۔ خاور بری طرح ٹھٹکا۔ یہ وہ آنکھیں نہیں تھیں جن کو وہ پہچانتا تھا۔ سیاہ' سرد' پتھر جیسی آنکھیں۔

''سر' کیا ہوا ہے؟''

''یونو... جب سیزر نے یہ کہا' تم بھی بروٹس تو اس نے کہا' تمہاری بھی باری آئے گی بروٹس! اور یہ کہہ کر وہ ڈھے گیا۔ اور بعد میں بروٹس بھی تو ایسے ہی مرا تھا نا۔ مگر پتہ ہے کیا...'' اس نے خاور پہ نظریں جمائے گلاس دائیں طرف میز پہ رکھا۔ ''یہ سب لوگوں کی باتیں ہیں۔ ورنہ تاریخ کہتی ہے' کہ سیزر نے مرتے وقت کچھ نہیں کہا تھا۔''

خاور نے آہستہ سے گلاس اسی میز پہ رکھنا چاہا' مگر رکھ نہیں سکا۔ گلاس لڑھک گیا۔ بے اختیار اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا گلا تھاما۔ اس

کی رنگت بدل رہی تھی' چہرے پہ پسینہ نمودار ہو رہا تھا۔ ''سر... سر کیا ہوا ہے؟'' حیرت زدہ نگاہیں اٹھا کر' دبتے گلے کو پکڑے وہ بمشکل بول پایا۔

''مورخ کہتے ہیں' سیزر کو مرتے وقت ایک لفظ کہنے کی بھی مہلت نہیں ملی تھی۔ وہ خاموشی سے مرا تھا۔ بالکل خاموشی سے۔ ایسے بڑے بڑے الفاظ شیکسپیئر کہا کرتا تھا۔ یہ اسی کے الفاظ ہیں۔'' اس نے خاور کو دیکھتے ہوئے ایک اور گھونٹ بھرا۔

''سر... میں نے... کچھ نہیں...'' وہ چلانا چاہتا تھا' مگر گلا پکڑے پکڑے گھٹنوں کے بل زمین پہ گر گیا۔ منہ یوں کھولا جیسے قے کرنا چاہتا ہو مگر... آج اندر سے کچھ نہیں نکلنا تھا۔ اس کا منظر دھندلا رہا تھا۔ سامنے' ٹانگ پہ ٹانگ جما کر بیٹھا' اسے سرد نظروں سے دیکھتا ہاشم اسی دھند میں گم تھا... اور دور... کسی کنوئیں سے ٹکراتی آواز کی طرح اس کی آواز گونج رہی تھی...

''میرا خیال ہے' وہ واقعی خاموشی سے مرا تھا' کیونکہ بادشاہ... خاموش ہی مرا کرتے ہیں۔ مگر تم... تم تاج نہیں پہنو گے۔''

اس نے کرسی پہ ہاتھ جما کر اٹھنے کی کوشش کی۔ مگر دھند... درد... اندھیروں میں ڈوبتا ذہن... وہ اٹھ نہیں پایا۔

''تم خاموش نہیں رہو گے... تم...'' ہاشم بیٹھے بیٹھے آگے کو جھکا تھا۔ ''تم مجھے سب بتاؤ گے... ایک ایک بات... کس کے لئے مارا تم نے میرے باپ کو... سب کچھ...''

مگر الفاظ اب گڈمڈ ہونے لگے تھے۔ خاور کا ذہن گہرے اندھیروں میں ڈوب رہا تھا۔ مناظر کبھی نظر آتے' کبھی بادلوں میں چھپ جاتے۔ اس نے محسوس کیا' اس کو کسی چیز پہ لٹا کر راہداری میں سے گزارا جا رہا ہے... راہداریاں... چھت... دروازے... چھت بدل رہی تھی... پھر وہ تاریک ہو گئی... وہ کچھ بڑبڑا بھی رہا تھا مضبوط قوتِ ارادی کے باعث اس کا ذہن ابھی تک مفلوج نہ ہو سکا تھا... اور پھر چھت مزید تاریک ہوئی... یہاں تک کہ وہ زردی مائل بھوری سی لگنے لگی... دھندلے ہوتے منظر میں اس نے دیکھنا چاہا... اس کا اسٹریچر ایک تنگ کمرے میں دھکیلا جا رہا تھا' اور سامنے دو ہیولے سے کھڑے تھے... وہ قریب آتے گئے... قدم... قدم... پھر ایک کا چہرہ واضح ہوا... اس کے بال گہرے بھورے اور ہلکے گھنگریالے تھے' اور آنکھیں بھوری تھیں۔ اس کا مسکراتا چہرہ قریب آیا... اور اس کے الفاظ وہ آخری الفاظ تھے جو خاور کو سنائی دیے تھے۔

''خوش آمدید... یا صاحبی السجن!''

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ڈیڑھ ماہ بعد

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کبھی غرور کا نشہ نہ سر پہ طاری کر

مری بلا سے فقیری کر یا تاجداری کر

Nemrah Ahmed: Official

Nemrah Ahmed: Official

سرما کی ٹھنڈ دسمبر کے تیسرے عشرے میں بڑھتی جا رہی تھی۔ وہ ایک نیلی سی صبح تھی۔ دھند نے سارے قصر کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ سورج منہ پھیرے ناراض سا، بادلوں کے پیچھے گم تھا۔ ایسے میں فیونا قصر کے برآمدے کے زینے چڑھتی دکھائی دے رہی تھی۔ اسکرٹ پہ سوئیٹر پہنے بال پونی میں باندھے وہ قدرے سنجیدہ اور ناخوش دکھائی دیتی تھی۔ برآمدے میں آ کر اس نے اندر کھلتا بھاری منقش لکڑی کا دروازہ دھکیلا تو جیسے ہی ہیٹرز کی گرم، ٹکور دیتی ہوا وجود سے ٹکرائی، ویسے ہی قصر کا اندرونی منظر بھی کھلتا چلا گیا۔

اندر تمام بتیاں روشن تھیں۔ لاؤنج میں ملازم کام کرتے نظر آ رہے تھے۔ سامنے ڈائننگ ہال کے شیشے کے دروازے کھلے تھے اور سربراہی کرسی پہ براجمان ملکہ نک سک سے تیار بیٹھی تھی۔ کھلے بال کندھے پہ بائیں جانب کو ڈالے، فگر ہگنگ سیاہ ٹاپ پہنے، جس پہ گرا اسلور لاکٹ چمک رہا تھا، وہ مسکرا کر گردن اٹھائے، مسلسل ایئر رنگ پہ انگلی پھیرتی، ساتھ کھڑے احمر کو دیکھ رہی تھی۔ وہ بھی سیاہ جیکٹ میں ملبوس، ماتھے پہ کٹے بال گیلے کر کے پیچھے کو بنائے، سادہ سا مسکراتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"گو کہ آکشن گیارہ بجے شروع ہو گی، مگر آپ وہاں پہ گیارہ بج کر چودہ منٹ پہ پہنچیں گی، یہ پرائس بولیں گی..." ایک چٹ نکال کر سامنے رکھی۔ "مسکرا کر حاضرین کو دیکھیں گی، سب امیز ڈ ہوں گے، لاجواب ہوں گے، پھر آپ کے بیٹھنے سے پہلے پینٹنگ آپ کی ہو گی اور آپ اسی شانِ بے نیازی سے اس کو بچوں کی فلاح کے لئے بننے والے ادارے کو عطیہ کر دیں گی۔ کیمروں کے شٹرز بج رہے ہوں گے، آپ نیوز میں ہوں گی، مگر آپ انٹرویو دینے سے انکار کر دیں گی، کیونکہ آپ اپنے نیک کام کی تشہیر نہیں چاہتیں۔ پی ایس! آپ کو مزید تشہیر کی ضرورت اس ہفتے پڑے گی بھی نہیں۔" اور مسکرا کر سر کو خم دیا۔ فیونا نے دور سے یہ منظر دیکھا، ناک سکوڑی، اور کچن کی طرف چلی گئی۔

"اور یقیناً تم نے انتظامیہ سے پہلے ہی بات کر لی ہو گی۔" چٹ کو دو انگلیوں میں اٹھا کر جواہرات نے دیکھا۔ "وہ میرے علاوہ کسی کو پینٹنگ نہیں بیچیں گے۔ رائٹ!"

"نہ صرف یہ بلکہ وہ چودہ منٹ تک کسی کو اس رقم تک نہیں آنے دیں گے۔ سب سیٹل کیا جا چکا ہے..." وہ ذرا رکا۔ "مسز کاردار، آپ سیاست میں نہیں آ رہیں، آپ پہلے ہی ایک philanthropist کے طور پہ جانی جاتی ہیں، پھر میں پچھلے چند ہفتوں سے آپ کے لئے یہ پبلیسٹی stunts کیوں ارینج کر رہا ہوں؟"

جواہرات نے نزاکت سے کندھے اچکائے اور نیپکین گھٹنوں پہ پھیلایا۔ "میں پاپولر ہونا چاہتی ہوں۔ مقبول لوگ، کسی بھی عہدے یا آفس کے بغیر بھی ایک دنیا پہ حکومت کرتے ہیں۔ وہ ذہنوں پہ حکمرانی کرتے ہیں اور ان کی رائے سنی جاتی ہے۔ مانی جاتی ہے۔" مسکرا کر اسے دیکھتے گلاس لبوں سے لگایا۔

"بھاری اعزازات کی بھاری قیمتیں چکانی پڑتی ہیں مسز کاردار، مگر خیر، آپ کو فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ میں آپ کے ساتھ ہوں!"

"اور مجھے اسی بات کی فکر ہے کہ تم ان کے ساتھ ہو۔" آواز پہ احمر چونک کر پلٹا۔ سامنے سے ہاشم چلا آ رہا تھا۔ کوٹ، ٹائی، کف لنکس، سب

#NAO
www.facebook.com/nemrah.ahmed.official

نفاست سے خود پہ سجائے، تنے تاثرات کے ساتھ ایک کاٹ دار نظر اس پہ ڈالتا وہ اپنی کرسی تک آیا۔ ملازم نے جلدی سے کرسی کھینچی۔ وہ بیٹھا اور اسی سنجیدگی سے نیپکین پھیلانے لگا۔

''گڈ مارننگ مسٹر کاردار!'' احمر سر کو خم دیتا کہہ کر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ اسے معلوم تھا، جواب نہیں آنا۔

''وہ بہت ٹیلینٹڈ ہے ہاشم!'' جواہرات نے نرمی سے اس کے ہاتھ کو دبایا۔ ہاشم نے جواب نہیں دیا۔ خاموشی سے ناشتہ کرتا رہا۔ نوشیرواں بھی تھوڑی دیر بعد تیار ہو کر نیچے آ گیا۔ اس کے بال پہلے سے بھی چھوٹے کٹے تھے، فرنچ صاف تھی، اور آج کل وہ روز اسی خاموشی سے آفس جاتا اور واپس آ کر کمرے میں گم ہو جاتا تھا۔

ناشتہ کرتے ہوئے ہاشم نے نگاہ اٹھا کر دیکھا تو کھڑکی کے باہر احمر کھڑا کسی ملازم کو کوئی ہدایت دیتا نظر آ رہا تھا۔ ہاشم نے ہولے سے سر جھٹکا۔

''مجھے ممی اس پہ ذرا بھی اعتبار نہیں ہے۔'' جواہرات نے ملازم کو جانے کا اشارہ کیا، پھر ہاشم کی طرف متوجہ ہوئی۔

''تمہیں جس پہ اعتبار تھا اسکا نام خاور تھا، وہ خاور جس پہ تمہارے باپ نے کبھی بھروسہ نہیں کیا تھا، مگر جس پہ تمہارے باپ نے اعتبار کیا تھا، وہ احمر تھا۔ اب تم فیصلہ کر لو کہ کون صحیح تھا کون غلط۔''

ہاشم کے لب بھنچ گئے، اور وہ مزید خاموشی سے ناشتہ کرنے لگا۔ جواہرات نے جھرجھری لیتے جوس کا ایک اور گھونٹ بھرا۔

Nemrah Ahmed: Official

''میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ خاور اورنگزیب کے ساتھ یہ سب....''

''خاور نے ڈیڈ کو قتل نہیں کیا۔'' نوشیرواں ایک دم کانٹا چھوڑ کر بولا تو وہ دونوں چونک کر اسے دیکھنے لگے۔ پل بھر کو جواہرات کا دل بیٹھا مگر وہ کہہ رہا تھا۔ ''میرے باپ کو کسی نے قتل نہیں کیا، انہیں کوئی قتل نہیں کر سکتا۔ وہ نیچرل ڈیتھ سے فوت ہوئے تھے، سنا آپ لوگوں نے؟'' اور نیپکین پٹخ کر کھڑا ہو گیا۔ ہاشم نے گردن اٹھا کر تاسف سے اسے دیکھا۔

''تم ابھی تک denial میں ہو شیرو!''

''آئندہ کوئی بھی ان کے قتل کی بات نہیں کرے گا، سنا آپ نے یا نہیں؟'' بگڑ کر کہتا، وہ کرسی دھکیلتا، لمبے لمبے ڈگ بھرتا، باہر نکل گیا۔ ناشتہ ادھورا رہ گیا تھا۔ ادھوری چائے، ادھورے ناشتے....

مزاجِ غم نے بہر طور مشغلے ڈھونڈے
کہ دل دکھا تو کوئی کام وام میں نے کیا

دھند لکے کے پار انیکسی کھڑی تھی۔ چھوٹی، کم مایہ، مگر مضبوط۔ اندر چھوٹے سے کچن میں دم کی چائے اور الائچی کی خوشبو پھیلی تھی۔ سیم گول میز پہ موجود بڑے برے منہ بناتا ناشتہ زہر مار کر رہا تھا۔ فرائی انڈے کی زردی ٹوٹ چکی تھی، اور وہ کھاتے ہوئے بار بار ایک ملامتی نظر حنین پہ ڈالتا جو جلدی جلدی توے پہ توس سینک رہی تھی۔ زمر سفید لباس میں تیار، اپنی چائے دم پہ رکھ رہی تھی۔ حنہ کپ کنگھالتے رکی تو توس

جل گیا۔سیم چلایا تو وہ اس طرف بھاگی۔

"حنین‘ ڈونٹ وری‘ واپس آ کر ہم سب مل کر کچن صاف کر لیں گے۔" زمر نے چولہا بند کرتے اسے تسلی دی۔ تو سیم کی پلیٹ میں رکھتے حنین نے بے یقینی سے زمر کو دیکھا۔

"آپ کا مطلب ہے کہ یہ کچن صاف نہیں ہے؟" اس کے دل کو جیسے دھکا لگا تھا۔ زمر نے گڑبڑا کر سیم کو دیکھا‘ پھر کچن کو (ہر چیز‘ چاہے وہ صاف دھلے برتن تھے یا پتی چینی کے ڈبے‘ وہ کاؤنٹر پہ رکھے تھے۔ پھیلاوا ہی پھیلاوا۔)

"میرا مطلب ہے‘ ابھی تو تم نے کر لیا بعد میں..... ہم مل کر کر لیں گے۔" سیم کو پھر دیکھا تو اس نے بنا آواز کے "توبہ توبہ" کہتے دونوں کانوں کو انگلی سے باری باری چھوا۔

مگر حنین سخت بے دلی سے کرسی پہ بیٹھ گئی۔ بولی کچھ نہیں۔ زمر کا بھی فون آ گیا۔ وہ سیم کو لیتے چلی گئی تو حنہ نے گھر کے سارے دروازے لاک کر دیے۔ اب وہ اکیلی تھی۔ اور وہ جانتی تھی کہ گھر کا یہ تخت و تاج اگلے دو ہفتے تک اسے اکیلے ہی سنبھالنا تھا۔

وجہ؟

صداقت شادی کر رہا تھا!

اس کی بلا سے وہ کسی سے بھی شادی کرے‘ جب بھی کرے‘ مگر اس نے کہہ دیا تھا کہ ندرت اور بڑے ابا کے بغیر اس کی شادی مکمل نہیں ہو سکتی۔ زمر اور خود حنین کے بے حد اصرار پہ ندرت اور ابا ایک ہفتے کے لئے صداقت کے گاؤں چلے گئے تھے۔ ایک ہفتے کی شرط بھی زمر نے لگائی تھی۔ وہ چاہتی تھی‘ وہ دونوں اس ڈپریشن زدہ ماحول سے نکلیں‘ کچھ دن تازہ ہوا کھا لیں‘ سو صداقت کے لئے قیمتی تحفے لے کر وہ لوگ کل روانہ ہو گئے تھے۔ ندرت نے کہہ دیا تھا کہ زمر مصروف ہوتی ہے‘ اور حنین کو کھانا بنانا نہیں آتا سو کھانا ریسٹورانٹ سے آئے گا‘ کپڑے لانڈری پہ جائیں گے‘ حنہ کو صرف ناشتہ اور صفائی کرنی ہو گی۔

مگر صفائی؟ یہ دنیا کا سب سے مشکل کام تھا۔ کل سے وہ چیزیں صاف کر کر کے‘ جوڑ جوڑ کر ہلکان ہو چکی تھی‘ مگر پورا گھر بکھرا ہوا لگتا تھا۔ آج بھی وہ زمر کے نیچے آنے سے آدھا گھنٹہ پہلے کچن میں آئی تھی‘ سارا کچن صاف کیا‘ مگر کتنے مزے سے وہ کہہ گئی کہ صفائی نہیں لگ رہی تھی۔ بھئی مطلب تو یہی تھا نا۔

ٹھنڈی چائے کا گھونٹ بھرتے‘ اکیلے بیٹھے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ پہلے ہی دن رات ہاشم کا خیال اس کی آواز‘ یہ سب ذہن سے نکلتا نہیں تھا‘ غضِ بصر کر کر کے تھک گئی وہ‘ مگر وہ تو ویسے ہی یاد آتا تھا‘ ذرا بھی نہیں بھولا تھا۔ اس نے سوچا تھا غضِ بصر میں کامیاب ہو کر وہ شیخ کے اگلے طریقے تک جائے گی‘ مگر کامیابی تو دور لگ رہی تھی‘ سو بالآخر وہ کتاب اٹھا لائی اور لاؤنج میں صوفے پہ لیٹے اس نے مطلوبہ فصل کھول لی۔

دروازے کے پار کھلا دریا تھا۔ تیز سورج کی سنہری کرنیں پانی پہ جھلملا رہی تھیں۔ ایسے میں وسط دریا کو چیرتی ایک لکڑی کی قدیم کشتی چلتی

جا رہی تھی۔ بوڑھے شیخ کسی ماہر ملاح کی طرح چپوؤں کو پانی میں چلاتے کشتی کو آگے دھکیل رہے تھے۔ ان کے سامنے وہ بیٹھی تھی۔ پہلے کی طرح کمزور، اور بددل۔ کہنیاں گھٹنوں پہ رکھے، اور ہتھیلیوں پہ چہرہ گرائے، وہ ناراضی سے ان کو دیکھ رہی تھی۔

''غضِ بصر کر کر کے مر گئی میں۔ پہلے اس کو دیکھنا چھوڑا، پھر اس کی ای میلز، اس کے ٹیکسٹ، سب مٹا دیے کہ ان کو دیکھنا بھی غضِ بصر کے خلاف تھا، مگر وہ نہیں بھولا۔ میں تو اسے دیکھ بھی نہیں رہی، پھر وہ مجھے کیوں نہیں بھولتا شیخ؟''

شیخ نے آہستگی سے گیلے چپو نکال کر کشتی کے اندر رکھے۔ ہوا ہولے سے خود ہی سنہرے پانی پہ کشتی کو آگے بڑھانے لگی۔

''تمہارے زمانے میں لڑکی، سب سے مہلک بیماری کون سی ہے؟''

''ڈینگی!'' فوراً بولی، پھر گڑبڑائی۔ ''سوری۔ کینسر۔ سرطان۔''

''تو اگر سرطان کا مریض اپنی بیماری بھول جائے تو کیا تندرست ہو جائے گا؟''

''دلیں۔ بیماری بھولنے سے کون شفایاب ہو سکتا ہے؟''

''تو میری بیٹی، مریض کیسے ٹھیک ہو گا؟ جسم سے اس سرطان (کینسر) کے نکلنے سے؟ یا یادداشت سے سرطان کا خیال نکلنے سے؟ اور جب وہ ٹھیک ہو جائے گا، تو کیا وہ سرطان کو بھول جائے گا؟''

وہ ایک عجیب انکشاف کا لمحہ تھا۔ حنہ نے دم بخود ان کو دیکھتے نفی میں سر ہلایا۔

''نہیں۔ اسے ساری عمر سرطان یاد رہے گا۔''

''لیکن اگر وہ تندرست ہو چکا ہے تو وہ یاد اسے تکلیف نہیں دے گی۔''

''تو کیا.. تو کیا مجھے اپنے محبوب کو بھولنے کی ضرورت نہیں؟'' وہ بے یقین تھی۔ بھولے بغیر موو آن کرنا... یہ کیسا علاج تھا؟

''وہ تمہیں کبھی نہیں بھول سکتا۔ تم بھولنے کی کوشش ترک کر دو۔ علاج تم نے اپنے دل کا کرنا ہے، یادداشت کا نہیں۔ اسے دل سے نکالنا ہے، دماغ سے نہیں۔ اس مقام تک آنا ہے جہاں اس کی یاد پہ تم بے حس ہو جاؤ۔ تمہیں فرق پڑنا ختم ہو جائے۔ نہ نفرت ہو نہ محبت!''

حنہ کا دل جیسے ایک دم خالی ہو گیا۔ ٹکر ٹکر ان کا چہرہ دیکھنے لگی۔

''مگر یہ کیسے ہو گا؟''

''اس کے لیے پہلے تمہیں 'محبت' کو سمجھنا پڑے گا۔'' انہوں نے چپو اٹھا لیے اور پھر سے پانی میں چلانے لگے۔ کشتی کی رفتار تیز ہوئی۔ سنہری کرنوں سے چمکتا پانی اب تنگ ہوتا جا رہا تھا۔ گویا دریا کے دو دہانے قریب آ رہے تھے۔ دونوں اطراف میں اگا سبزہ بھی گھنا اور گنجان تھا۔

''اور اس کو سمجھنے کے لیے پہلے عشق اور محبت میں فرق کرنا سیکھو لڑکی!'' دریا مزید تنگ ہو کر کسی نہر میں بدلتا جا رہا تھا۔ وہ جیسے شام سے دور، امیزون کے جنگلات کے درمیان بہتی کوئی نہر تھی۔

Nemrah Ahmed: Official

''مجھے پتہ ہے۔'' وہ جلدی سے بولی۔ ''پہلے پسندیدگی ہوتی ہے' پھر محبت' پھر عشق' پھر جنون' پھر دیوانگی!'' شیخ کے تاثرات دیکھ کر وہ چپ ہوئی۔ وہ افسوس سے مگر مسکراتے ہوئے نفی میں سر ہلا رہے تھے۔ ''یہ درجے تمہارے ملک میں رائج ہوں گے' مگر جس زبان سے تمہاری زبان نکلی ہے' اس میں معاملہ ذرا مختلف ہے۔ محبت درمیان میں نہیں ہے' بلکہ محبت کے یہ سب درجے ہیں۔ محبت خود کوئی درجہ نہیں ہے۔''

''تو کتنے درجے ہیں محبت کے؟''

''سات۔ سنو گی؟'' وہ مسکرائے۔ کشتی اب اس سرسبز تنگ نہر کے درمیان داخل ہو چکی تھی۔ وہاں جا بجا کنول کے پھول پانی پہ تیرتے دکھائی دے رہے تھے۔ سورج گھنے درختوں کے ورے چھپ گیا تھا۔ ٹھنڈی میٹھی سی چھایا ہر سو چھا گئی تھی۔

''محبت کا پہلا درجہ ''علاقہ'' ہے' کیونکہ اس میں انسان کا اپنے محبوب سے ''تعلق'' قائم ہوتا ہے۔ علاقہ کے بعد ''الصبابہ'' ہے' اس میں انسان کا دل پوری گرویدگی کے ساتھ محبوب کی طرف جھک جاتا ہے' وہ اس کے سحر میں گھر جاتا ہے۔ تیسرا درجہ ''الغرام'' ہے۔ قرآن میں پڑھا ہو گا تم نے ''ان عذابہا کان غراما'' (بلاشبہ اس کا عذاب لازم ہونے والا ہے) سو الغرام میں محبت قلب کے اندر ہمیشہ کے لئے لازمی طور پہ جا بیٹھتی ہے اور اس سے نکل نہیں پاتی۔'' وہ ذرا دیر کو سانس لینے رکے۔ ''پھر ''عشق'' ہے۔ محبت کی ایک انتہا۔ اور ایک بات کہوں' برا تو نہیں مانو گی؟''

''نہیں تو۔''

''یہ کیا تمہارے ملک کے لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ''عشق'' کا لفظ جوڑنا شروع کر رکھا ہے؟ تمہاری زبان جس زبان سے نکلی ہے' اس میں عشق کا لفظ مرد و عورت کی ایسی محبت کے لئے استعمال ہوتا ہے جو معتبر نہیں سمجھی جاتی۔ اس لفظ میں شرافت نہیں ہے۔ خود سوچو' کبھی کہہ سکتی ہو کہ اپنے ماں باپ سے عشق ہے تمہیں؟ عجیب لگتا ہے نا؟ اللہ کی محبت کے لئے' رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے لئے یہ لفظ قطعاً درست نہیں۔''

''آہستہ بولیں۔ کسی ٹی وی پہ مداری نما سوڈو اسکالر نے سن لیا نا تو مجھے الٹا لٹکا دے گا۔ آپ کو کیا پتہ آج کل ''عاشقِ رسول'' کے ٹائٹل کی ٹی وی پہ کتنی ڈیمانڈ ہے۔'' شیخ نے مسکرا کر آہ بھری۔

''کسی اور کو اگر حق بات کہنے میں کسی ملامت گر کی ملامت کی پرواہ ہے' اور وہ غیر جانبدار رہنا چاہتا ہے تو رہے۔ مگر نہ میں غیر جانبدار رہوں گا' نہ غلط چیز کو روکنے کے لئے کسی ملامت یا فتوے کی پرواہ کروں گا۔ عربی ادب کے ماہرین اور اہلِ زبان سے جا کر پوچھ لو اور نہیں تو قرآن پڑھنے والوں سے پوچھ لو' اللہ نے اپنے اور رسول کے لئے ''محبت'' کا لفظ استعمال کیا یا عشق کا؟ میں تمہارے ملک کے مفتیوں اور ''عاشقوں'' سے نہیں ڈرتا۔ جو لفظ مجھے اللہ کے رسول نے نہیں سکھایا' جو لفظ ایک اچھا لفظ' ایک شریف لفظ نہیں سمجھا جاتا' میں اس کو اللہ اور رسول کے ساتھ جوڑنے کی مخالفت کرتا ہوں' اور مجھے کسی ملامت گر کی ملامت کی پرواہ نہیں ہے۔''

''ابنِ قیم والا حوصلہ اور جگر میرے اندر نہیں ہے' اس لئے ہم آگے چلتے ہیں شیخ!'' اس نے موضوع کی طرف توجہ مبذول کروائی۔ وہ سر

Nemrah Ahmed: Official

جھٹک کر چپو چلانے لگے۔ کشتی تیزی سے پانی کو چیرتی تیرنے لگی۔

''عشق کے بعد ''شوق'' ہے۔ یہ دل کے اس سفر کا نام ہے جو پوری تیزی سے محبوب کی طرف شروع کیا جائے۔ پروردگارِ عالم کے متعلق اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ اللہ کو معلوم ہے کہ اس کے دوست اس کی ملاقات کا شوق رکھتے ہیں اس لئے اس نے ایک وقت مقرر کر دیا ہے کہ جب وہ لوگ جو اپنے دکھوں اور مسئلوں میں صرف اسی سے مدد مانگا کرتے تھے' وہ اس وقت اس سے ملاقات کر لیں گے اور ان کے دل میں موجود جذباتِ محبت کو قرار ملے گا۔''

پانی پہ چمکتے کنول کے پھول خود بخود ایک طرف ہٹ کر کشتی کو راستہ دینے لگے۔

''اس کے بعد تیتم ہے۔ یعنی کہ انسان اپنے محبوب کی عبادت کرنے لگ جائے۔ محبوب کی عبادت کرنے والا اس کا ''عبد'' (غلام) بن جاتا ہے۔ وہ اپنی ساری انا' ساری عزتِ نفس' سب اس محبوب کے قدموں میں ڈال دیتا ہے' کسی انسان سے ایسی محبت کی جائے' مجبوری میں نہیں' ظلم میں نہیں' بلکہ صرف محبت میں خود کو اس کے قدموں میں بے توقیر کر دیا جائے' تو یہ شرک ہے۔ مگر اللہ سے ایسی محبت کرنا' خود کو اس کے سامنے جھکانا' اپنے چہرے کا ہر نقاب اتار کر' ہر انا پسِ پشت ڈال کر اس سے اپنے دل کا حال بیان کرنا' اس کے آگے دعا میں گڑگڑانا' یہ ''عبادت'' ہے' اور عبادت محبت کی معراج ہے۔ جو اللہ کی عبادت نہیں کرتا' وہ اس سے محبت نہیں کرتا۔''

اب ان کے چپو چلاتے ہاتھوں میں روانی آ گئی تھی۔ ہوا بھی ٹھنڈی ہو رہی تھی۔ دریا نہر کی مانند درختوں کی تنگ گلی سے گزر کر آگے بڑھتا ہی بڑھتا جا رہا تھا۔

''اس کے بعد... کمالِ محبت... محبت کا آخری درجہ... خلت ہے۔ یہ دل کی اس کیفیت کا نام ہے' جس میں محبوب کے سوا نہ کسی کی گنجائش ہوتی ہے' نہ دل کسی شراکت کو برداشت کرتا ہے۔ اسی خلت سے خلیل ہے' اور یہ منصب اللہ تعالیٰ نے صرف دو انسانوں کو عطا کیا تھا۔ ابراہیم علیہ السلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس خلت کو حاصل کرنے کے لئے ان دو عظیم انبیاء نے بہت کچھ قربان کیا تھا۔ ہم اس مقام تک نہیں پہنچ سکتے' مگر تیتم... یعنی ''عبادت'' تک تو پہنچ سکتے ہیں نا۔'' جیسے اسے تسلی دی۔

''اب تمہیں فیصلہ کرنا ہے کہ تمہاری اپنے محبوب سے محبت کس درجے تک تھی؟''

''عشق تک!'' وہ بے اختیار بولی۔

''تو پھر سنو۔ مرضِ عشق کی مدافعت کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ....'' وہ ذرا دیر کو رکے۔ ''کہ اپنے دل کو کسی اور طرف مصروف کر دو تا کہ وہ عشق والے راستے سے رکے۔ یا تو کسی خوف کے ذریعے' یا پھر....'' وہ اداسی سے مسکرائے۔ ''یا پھر محبت کے ذریعے۔''

''محبت کے ذریعے؟''

''جیسے ہیرا ہیرے کو کاٹتا ہے' جیسے لوہا لوہے کو کاٹتا ہے' ویسے ہی عشق کو صرف عشق کاٹتا ہے' محبت کا علاج محبت سے کیا جاتا ہے۔ جب تک تمہارے دل کے سامنے کوئی بڑی محبت نہیں آئے گی' اس شخص کی محبت سے بڑی محبت' تب تک وہ شفایاب نہیں ہوگا۔''

#NAO www.facebook.com/nemrah.ahmed.official

''مطلب مجھے کسی اور سے محبت کرنا ہوگی؟''

''نہیں۔ محبت جبراً کوئی کسی سے نہیں کرسکتا۔ یہ تو قسمت سے ملتی ہے۔ ہوگئی تو ہوگئی' نہ ہوئی تو نہ ہوئی' مگر اس سے پہلے تمہیں اپنے دل کو مصروف کرنا ہوگا۔''

''اور دل کو مصروف کرنے کے لئے مجھے اپنی آنکھ کو مصروف کرنا ہوگا؟''

''بالکل۔ لیکن اس کے لئے دو چیزیں ہونی چاہئیں انسان میں۔ اول' اس میں اتنی عقل ہو کہ ادنیٰ اور اعلیٰ محبت میں تمیز کرسکے' اعلیٰ کو ادنیٰ پہ فوقیت دے سکے۔ اور دوم' اس میں اتنا صبر' ہمت اور استقامت ہو کہ فیصلہ کرلیا ہے تو اس پہ ڈٹ جائے۔ بعض لوگ اپنا فائدہ نقصان خوب سمجھتے ہیں' مگر ان میں غلط کو ترک کرنے کی ہمت نہیں ہوتی۔ وہ نہ خود کو نفع دیتے ہیں نہ دوسروں کو۔ مگر جن لوگوں میں اتنا صبر اور عزم ہوتا ہے' انہی کو اللہ اپنے دین کی امامت سونپتا ہے۔ اگر تم نے ان میں سے بننا ہے تو نگاہ کو کسی اچھی طرف لگاؤ۔''

''اوکے۔ میں... میں کوئی مشغلہ ڈھونڈوں' رائٹ؟'' کنول کے پھولوں کی جوت بجھتی گئی۔ پانی کی روشنی مفقود ہوتی گئی۔ کشتی مدھم ہوکر کہیں ڈوب سی گئی' اور اس نے خود کو لاؤنج میں بیٹھے پایا۔ کتاب بند کرکے وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''صرف نگاہ جھکانا کافی نہیں' نگاہ کو مصروف رکھنا بھی ضروری ہے۔'' ایک عزم کے ساتھ وہ نیچے بیسمنٹ میں گئی۔ اپنے سامان سے چند اچھی کتابیں نکالیں۔ پھر پینٹنگ کے سامان کی لسٹ بنائی جو وہ آج ہی خرید لے گی۔ لینڈ اسکیپ اور خوبصورت گھر پینٹ کرنے کا کتنا شوق تھا اسے۔ بس وہ آج سے یہ ساری اچھی کتابیں پڑھے گی' اور اچھی اچھی پینٹنگز بنائے گی' یوں وہ مصروف ہوجائے گی اور اس کا دل ہاشم کے اثر سے نکل جائے گا۔ اس نے تہیہ کرلیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اس ایک ہجر نے ملوا دیا وصال سے بھی
کہ تو گیا تو محبت کو عام میں نے کیا

آج کمرہ عدالت میں ٹھنڈ تھی۔ سورج ہنوز ناراض تھا۔ ہیٹر بھی جل رہا تھا۔ مگر ایسے میں گویا موسم سے سب بے نیاز' دھیان اور توجہ سے کٹہرے میں کھڑے شخص کو دیکھ رہے تھے' جو چالیس' پینتالیس برس کا مرد تھا' اور سامنے کھڑے پراسیکیوٹر کے سوالات کا جواب دے رہا تھا۔

''مقتول قمر الدین سے آپ کا کیا رشتہ تھا؟''

''میں ان کا بہنوئی ہوں۔'' بولتے ہوئے لبوں پہ ہاتھ پھیرا تو جج نے ٹوکا۔ ''ذرا صاف اور بلند آواز میں جواب دیں۔''

''میں ان کا بہنوئی ہوں۔'' وہ کھنکھار کر پھر سے بولا۔ اپنی کرسیوں پہ زمر اور فارس اسی طرح بیٹھے تھے۔ زمر کاغذ پہ تھوڑی دیر بعد کچھ لکھتی' پھر نگاہ اٹھا کر سنجیدگی سے P.W.1 (پراسیکیوشن کا گواہ نمبر ایک) کو دیکھنے لگتی۔ فارس ٹیک لگائے' کان کی لو مسلتے' چبھتی ہوئی

نظروں سے کبھی گواہ کو دیکھتا اور کبھی ایک کٹیلی نظر قریب بیٹھے ناظم پہ ڈالتا۔ (ناظم وہ شخص تھا جس نے فارس کا شریکِ جرم ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔)

''29 اگست کی دوپہر کیا ہوا تھا؟''

''جی کوئی لگ بھگ ساڑھے بارہ بجے کا وقت تھا۔ میں اپنی بہن کے گھر کام سے آیا تھا۔ ابھی اندر داخل نہیں ہوا تھا' وہیں گیٹ پہ کھڑا فون سن رہا تھا کہ ایک گاڑی' جس کی نمبر پلیٹ اتری ہوئی تھی' قریب آئی۔ دو لوگ سامنے والی سیٹوں پہ بیٹھے تھے۔ وہ کار سے اترے' پچھلی سیٹ سے قمر الدین کی لاش نکال کر وہاں پھینکی اور اسی تیزی سے کار میں بیٹھ کر یہ جا وہ جا۔''

''پھر آپ نے کیا کیا؟'' پراسیکیوٹر نے نرمی سے سوال کیا۔

''میں جی فوراً آگے آیا' لاش کو سیدھا کیا' وہ قمر الدین ہی تھا مگر کافی خون آلود تھا۔ میں اسے فوراً ہسپتال لے گیا' ڈاکٹر نے کہا کہ موت واقع ہوئے چند گھنٹے گزر چکے ہیں' مگر ڈاکٹر نے میت ہمارے حوالے نہیں کی۔''

''ہمارے؟''

''یعنی کہ جی میں اور میرا بھائی' اس کو بھی میں نے فون کر کے بلا لیا تھا۔ ڈاکٹر نے شام کو میت حوالے کی' ہم اسے گھر لے آئے۔ پھر صبح ہم نے پولیس کو اطلاع دی۔''

''جو دو لوگ کار پہ لاش پھینکنے آئے تھے' آپ ان کو پہچان لیں گے؟''

''جی ہاں جی۔ یہ دونوں۔'' پہلے فارس کی طرف اشارہ کیا۔ ''یہ ڈرائیونگ سیٹ پہ تھا' اور یہ (ناظم کی طرف انگلی اٹھائی) یہ فرنٹ سیٹ پہ تھا۔''

''کیا انہوں نے چہروں پہ کوئی نقاب پہن رکھے تھے؟''

''نہیں جی' منہ کھلا تھا۔ بالکل صاف اور واضح۔''

پراسیکیوٹر نے سر کو خم دیا' اور پھر واپس اپنی کرسی کی طرف آتے ہوئے زمر کو دیکھ کر "your witness" کہتے ہوئے جرح کی دعوت دی۔ زمر اپنی جگہ سے اٹھی اور قدم قدم چلتی کٹہرے کے قریب آئی جہاں وہ بہنوئی کھڑا تھا۔ یہاں سے فارس کو اس کا نیم رخ دکھائی دیتا تھا۔ آدھے بندھے گھنگریالے بال پشت پہ' اور ناک میں دمکتی سونے کی نتھ۔ (اسے بے اختیار سیاہ ڈبی میں مقید وہ لونگ یاد آئی جواب بھی ان کے کمرے کی ڈریسنگ ٹیبل پہ پڑی تھی۔ زمر نے اس رات کے بعد اسے چھوا تک نہ تھا۔) چہرے پہ بے پناہ سنجیدگی لئے اس نے بہنوئی محمد اقبال کو دیکھا۔

''اقبال صاحب سیٹلائٹ فون کی قیمت کتنی ہوتی ہے؟''

''جی؟'' اقبال نے الجھ کر اسے دیکھا۔ پراسیکیوٹر قدرے بیزار سا کھڑا ہوا۔

''آبجیکشن یور آنر۔ کاؤنسلر غیر متعلقہ سوال پوچھ رہی ہیں۔''

(ایک وکیل کے کسی سوال پہ دوسرا وکیل جب اعتراض کرے تو جج یا تو اس اعتراض کو "اوور رول" کہہ کر رد کر دیتا ہے یا سسٹینڈ کہہ کر برقرار رکھتا ہے.....)

''اوور رولڈ' لیکن آپ اپنے سوال کا مدعے سے تعلق جلد واضح کریں۔'' جج صاحب نے عینک کے پیچھے سے زمر کو دیکھتے تنبیہ کی۔ اس نے تحمل سے سر کو خم دیا اور سوال دہرایا۔ ''سیٹلائٹ فون کی قیمت کتنی ہوتی ہے؟''

''مجھے نہیں معلوم۔''

''کیا اس لئے کہ آپ نے کبھی سیٹلائٹ فون استعمال نہیں کیا؟''

''جی بالکل میں نے کبھی دیکھا بھی نہیں۔''

''اقبال صاحب' آپ نے اپنے بیان میں کہا کہ جب یہ دونوں اشخاص کار میں آئے تو آپ گیٹ پہ کھڑے تھے۔ آپ وہاں کیا کر رہے تھے؟'' اسی سنجیدگی سے پوچھا۔

''میں فون پہ بات کر رہا تھا' اپنے بھائی سے۔ آپ میرے فون کا بل چیک کر سکتی ہیں۔'' گردن کڑا کر بولا۔ زمر نے اثبات میں سر کو جنبش دی۔

''آپ کے بل میں بارہ بج کر بیس منٹ پہ اپنے بھائی کو تین منٹ کی کال کرنے کا ریکارڈ موجود ہے' درست۔'' ذرا رکی۔ ''لیکن...'' اس نے پراجیکٹر اسکرین کی طرف اشارہ کیا جہاں قمر الدین کے گھر کی تصاویر پراسیکیوٹر نے ڈسپلے کر رکھی تھیں۔ وہ سڑک جہاں لاش پھینکی گئی۔ وہ گیٹ جہاں بہنوئی کھڑا تھا۔

''لیکن قمر الدین کے گھر کے سامنے ایک لڑکیوں کا اسکول ہے' کیا آپ نے یہ دیکھ رکھا ہے؟''

پراسیکیوٹر ابرو بھینچ کر آگے ہو کر بیٹھا اور توجہ سے سننے لگا۔ فارس کا بھی کان کی لو کو مسلتا ہاتھ رک گیا' آنکھیں سکڑیں۔

''جی' دیکھ رکھا ہے۔'' زمر واپس میز تک آئی اور چند کاغذات اٹھائے۔

''یہ اسکول کی انتظامیہ کی طرف سے ایفی ڈیوٹ ہے' اور اسی کالونی کے چند معزز لوگوں کی طرف سے حلف نامے ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ ....'' باری باری چند کاغذات جج صاحب کی ڈیسک پہ' اور پھر پراسیکیوٹر کی میز پہ رکھے۔ ''کہ ہر روز صبح آٹھ بجے سے دوپہر دو بجے تک سکول میں جیمر لگائے جاتے ہیں تاکہ وہ لڑکیاں جو چھپ کر موبائل لاتی ہیں وہ ان کو نہ استعمال کر سکیں۔ اور محلے والوں کے مطابق ان جیمرز کا دائرہ اتنا ہے کہ قریبی گھروں کے وہ حصے جو اسکول کے سامنے پڑتے ہیں' وہاں ان اوقات میں موبائل اسگنلز نہیں آتے جن کی وجہ سے وہ کافی دفعہ اسکول والوں سے شکایت بھی کر چکے ہیں۔ سو اقبال صاحب' میں یہ نہیں سمجھ سکی کہ اس گیٹ پہ جہاں میں خود بارہ بج کر بیس منٹ پہ جا کر موبائل سے کال کرنے کی کوشش میں ناکام ہو چکی ہوں' وہاں آپ موبائل پہ اتنی لمبی گفتگو کیسے کر سکتے ہیں؟ الا یہ کہ آپ کے پاس سیٹلائٹ فون تھا؟''

''آب جیکشن یور آنر!'' پراسیکیوٹر جلدی سے کھڑا ہوا۔ زمر نے مڑ کر اسے دیکھا۔ ''کس وجہ کی بنا پہ؟''

''کاؤنسلر غیر متعلقہ بات کر رہی ہیں۔''

''یور آنر! اس گواہ کے مطابق یہ بارہ بج کر بیس منٹ پہ اس گیٹ پہ موجود تھا' صرف تب ہی یہ کار پہ آنے والوں کی شکلیں دیکھ سکتا ہے لیکن اگر وہاں سگنل نہیں آتے' تو پھر یہ ثابت ہوتا ہے کہ گواہ اس وقت وہاں موجود نہیں تھا اور وہ فون اس نے کسی اور جگہ پہ سنا تھا۔''

''اوور رولڈ!'' پراسیکیوٹر قدرے غیر آرام دہ سا بیٹھا۔ جج نے گواہ کو جواب دینے کا اشارہ کیا۔ وہ اب تک سنبھل چکا تھا۔

''میرا خیال ہے میں نے بات گھر کے اندر کی تھی' وہاں سگنل آتے ہیں' اور میں بات کر کے باہر آیا تھا تو میں نے دیکھا تھا کہ....''

''آپ کو یہ یاد نہیں کہ آپ نے بات کہاں کی' آپ کو یہ یاد نہیں کہ آپ وہاں کیوں کھڑے تھے مگر آپ کو یہ یاد ہے کہ ان دونوں کی شکلیں کیسی تھیں اور یہ کہ ان کی کار کی نمبر پلیٹ غائب تھی؟'' اسی سنجیدگی سے وہ پوچھ رہی تھی۔

''دیکھیں' کافی دن گزر چکے....''

''آپ فوراً قمر الدین صاحب کو ہسپتال لے کر گئے تھے؟'' بات کاٹ کر اس نے اگلا سوال داغا۔ گواہ نے سر اثبات میں ہلایا۔ ''جی ہاں۔''

''اور ان کے میڈیکل معائنے کے وقت آپ وہاں موجود تھے؟''

''جی۔''

''تو پھر کیا وجہ ہے کہ قمر الدین چودھری کی میڈیکولیگل رپورٹ پہ جو ''دوست/رشتہ دار'' کا خانہ ہوتا ہے' جس میں اس شخص کا نام لکھا جاتا ہے جو طبی معائنے کے وقت ساتھ ہو' وہ خانہ خالی کیوں ہے؟'' اس نے رپورٹ کی ایک ایک کاپی جج اور پراسیکیوٹر کے سامنے رکھی' تیسری گواہ کے ہاتھ میں دی۔ گواہ نے تھوک نگلا۔ سر اٹھا کر پراسیکیوٹر کو دیکھا۔ وہ کاغذ پڑھتے ہوئے تیزی سے اٹھا۔ ''یور آنر' ڈاکٹر سے بھول چوک ہو سکتی ہے' اتنے مریضوں کی موجودگی میں اکثر ڈاکٹرز اس خانے کو پُر کرنا بھول جاتے ہیں۔''

''دو مریض' دو لاشیں' دو رپورٹس!'' وہ مزید چند کاغذ میز سے اٹھا کر لائی اور جج صاحب کے سامنے رکھے۔ ''29 اگست کو ڈاکٹر سعادت نے قمر الدین چودھری کے علاوہ مزید دو لاشوں کی میڈیکولیگل رپورٹس تیار کی تھیں' ان دونوں میں دوست/رشتے دار کا خانہ بھرا ہوا ہے۔ اگر ڈاکٹر کو وہاں یاد رہا' تو اسے یہاں کیوں بھول گیا؟ یا پھر...'' گواہ کے سامنے کھڑے ہو کر مسکرا کر اسے دیکھا۔ ''آپ وہاں موجود ہی نہیں تھے' بلکہ آپ کو پراسیکیوشن نے رٹی رٹائی کہانی یاد کرنے کو کہا ہے؟''

فارس ہلکا سا مسکرایا۔ یہاں سے ابھی تک زمر کا نیم رخ دکھائی دے رہا تھا' مگر اس کا انداز' اس کی نرم سی سختی۔۔۔ اسے خود بھی نہیں پتہ تھا کہ وہ مسکرا رہا ہے۔

''آب جیکشن یور آنر۔'' پراسیکیوٹر غصے سے بولا اور جج صاحب نے فوراً سے ''sustained۔'' کہتے ہوئے زمر کو تنبیہی نظروں سے دیکھا بھی تھا' مگر وہ دونوں ہاتھ اٹھا کر "withdrawn" کہتی واپس کرسی پہ جا بیٹھی۔

Nemrah Ahmed Official

Nemrah Ahmed: Official

''مجھے مزید کوئی سوال نہیں کرنا مگر میں گواہ کو دوبارہ بلا کر جرح کرنے کا حق محفوظ رکھنا چاہتی ہوں۔'' اب وہ عدالت کو اطلاع دے رہی تھی۔

فارس نے مسکراتے ہوئے کچھ کہنے کے لئے لب کھولے مگر پھر رک گیا۔ اور مسکراہٹ دبالی۔ ابھی وہ وقت نہیں آیا تھا کہ وہ اس کی تعریف کرتا۔

چلی جو سیلِ رواں پہ محبت کی کشتی

تو اس سفر کو محبت کے نام میں نے کیا

سندھ میں ایک طویل عرصے کی تعیناتی کے بعد اس کو بالآخر اپنے شہر میں واپس بلالیا گیا تو وارث خوش تھا۔ اس کے خیال میں فارس کے کیریئر سے کلنک کا ٹیکا اتر گیا تھا اور اس کی ترقی کے چانسز بڑھ گئے تھے۔ مگر اس کی خوش گمانی چند ہفتوں میں ہی ختم ہوگئی اور فارس کے کولیگ سے ملنے کے بعد وہ سیدھا قصرِ کاردار کی انیکسی میں آیا تھا۔

''اب میں نے کیا کیا ہے؟'' اس نے فریج سے سافٹ ڈرنک کے دو کین نکالتے ہوئے مسکرا کر پوچھا تھا۔ پھر سیدھا ہو کر پلٹا تو دیکھا' وارث گلاسز کے پیچھے سے اس کو تندہی سے گھور رہا تھا۔

''مسئلہ یہ ہے کہ اس دفعہ تم نے کچھ نہیں کیا۔''

''تم میرے باس کی طرح باتیں کیوں کرتے ہو؟'' ایک کین اس کی طرف اچھالا' اور دوسرا کھول کر خود صوفے پہ آ گرا۔ وارث نے سختی سے لب بھینچے کین میز پہ پٹخا اور اس کے سامنے بیٹھا۔ ''تمہارے سامنے ایک شخص گن لہراتا ہوا بھاگ گیا اور تم نے اس پہ گولی نہیں چلائی!''

''اس نے ایک بچے کو یرغمال بنا رکھا تھا' اس کی گردن پہ پستول رکھ کر اس کو ڈھال بنا کر وہ کھڑا تھا' میں بچے کی زندگی کو خطرے میں نہیں ڈال سکتا تھا۔'' اور کین لبوں سے لگائے گھونٹ بھرا۔

''تو تمہیں اس کے بازو پہ گولی مارنی چاہیے تھی' اس رگ پہ جس کے کٹتے ہی وہ ٹریگر دبانے سے مفلوج ہو جاتا۔ ڈونٹ ٹیل می کہ تمہیں کسی نے یہ سب نہیں سکھایا۔''

فارس نے کین رکھا اور سنجیدگی سے آگے ہوا۔ ''وارث... وہ ایک انسان تھا۔ اس پہ اسمگلنگ کے جتنے مقدمے ہوں' وہ ایک انسان تھا' میں ایک انسان پہ گولی نہیں چلا سکتا تھا' اس اینگل سے میرا بیسٹ شاٹ اس کی کنپٹی پہ لگتا' اور میں قتل نہیں کرنا چاہتا تھا کسی کو۔''

''اور تمہیں کیا لگتا ہے' وہ بھاگ کر جو گیا ہے' تو کیا اب مسجد میں میلاد کروا رہا ہوگا؟ نہیں غازی۔ وہ جتنے لوگوں کی زندگیاں منشیات سے خراب کرے گا' وہ تمہارے سر ہوں گی۔'' فارس چند لمحے خاموش رہا۔

''سارہ کیسی ہیں؟'' وارث نے مزید غصے سے اسے دیکھا۔

''ٹاپک مت بدلو۔ قتل کرنا جرم ہوتا ہے' مگر ڈیوٹی کی لائن میں' فساد فی الارض کرنے والوں کو مارنا ثواب کا کام ہوتا ہے۔''

''کیا معلوم وہ توبہ کر لے؟ نیک ہو جائے؟ میں نے جو بھی کیا بچے کو بچانے کے لئے کیا' ہاں ٹھیک ہے' میری کمزوری ہے یہ کہ میں ایک

#NAO www.facebook.com/nemrah.ahmed.official

انسان پہ گولی نہیں چلا سکا' مگر..... ہو سکتا ہے وہ بدلنے والا ہوتا اور میں اس کا چانس اس سے چھین لیتا۔"

اس بات پہ وارث غازی پورے دل سے مسکرایا تھا۔

"میری ایک نصیحت ساری زندگی یاد رکھنا' فارس۔" اس کی آنکھوں میں دیکھ کر وہ ٹھہر ٹھہر کر بولا تھا۔ "انسان نہیں بدلا کرتے۔ لاکھوں میں سے ایک دو تو بدل سکتے ہیں' مگر ہر کوئی نہیں بدلتا۔"

یہ نصیحت بھلانے میں اسے چند دن لگے تھے' مگر ذہن کے کسی نہاں خانے میں یہ اٹک ضرور گئی تھی' لیکن یہ وہ دن تھے جب دل اور دماغ میں اور بھی بہت کچھ چل رہا تھا۔ اس نے زمر کی یونیورسٹی جوائن کر لی تھی۔ شام کی کلاسز وہ اس سے لینے لگا تھا' اور یہ اس کو خود بھی معلوم تھا کہ پورے شہر میں ایک ہی یونی تو نہیں تھی۔ پھر وہ ادھر کیوں آتا تھا؟ صرف اس کے لئے۔

اس سے قبل ان دونوں کی ملاقات زیادہ نہ رہی تھی' بلکہ رسمی سلام سے زیادہ اس نے کبھی اس سے بات بھی نہ کی تھی' اور سندھ میں قیام کی اس طویل مدت کے دوران اس کو وہ بھول بھال بھی گئی تھی مگر یہاں آنے کے بعد..... ایک روز اس نے اسے سعدی کے گھر سے نکلتے دیکھا تھا' اور اسے معلوم ہو گیا تھا کہ اگر اس نے اس لڑکی کو کھو دیا تو دنیا میں کوئی اور اس کے لئے نہیں ہو گا۔

وہ اس کی یونی جانے لگا' اس سے بات کرنے کے مواقع تلاش کرنے لگا' اس کا زیادہ سے زیادہ وقت لینے کے بہانے ڈھونڈنے لگا' اور وہ ہمیشہ ہی اسے ایک طرح سے ڈیل کرتی تھی۔ احترام اور عزت کے ساتھ' مگر ریزرو اور دور۔ وہ خوبصورت نہیں تھی' شکل و صورت میں وہ محض واجبی تھی' رنگت بھی گندمی مائل تھی' بال خوبصورت تھے' مگر نہ وہ بننے سنورنے کی شوقین تھی' نہ وہ کسی سے بے وجہ بات کیا کرتی تھی۔

زیور کے نام پہ وہ صرف ناک میں نتھ پہنا کرتی تھی۔ شاید اسے اپنی ناک بہت عزیز تھی!

وہ بہت اچھی تھی' یا پھر اسے لگتی تھی۔ محبت کرنے والی' مگر مضبوط' دبنگ اور کبھی کبھی ذرا ضدی۔ نرم لہجے میں سخت باتیں کر جاتی تھی۔ قلم سے کاغذ پہ لکھتے لکھتے' کسی بے معنی بات پہ وہ بس ایک ابرو اٹھا کر اسے دیکھتی' اور پھر واپس کام کرنے لگ جاتی اور اس کا یہ انداز سامنے والے کو پیچھے ہٹنے پہ مجبور کر دیتا تھا۔ وہ دل کی اچھی تھی۔ مہربان' اور نرم سی۔ اس میں ہر وہ خوبی تھی جو اس جیسے مرد کو متوجہ کرتی' مگر وہ اس معاشرے کا مرد تھا' جس کے لئے اپنی عزت اور عزت کا بھرم ہر شے سے اوپر تھا' کیونکہ آخر میں وہ تھی تو بیگم ولایت کے خاندان سے نا!

قصوں کہانیوں اور فلموں میں محبت کی شادیاں سحر انگیز لگتی ہوں' حقیقت اس سے مختلف تھی۔ وہ ابھی اس سے شادی نہیں کر سکتا تھا۔ جو بھی سنتا' آگے سے کہتا' اچھا..... وہ دونوں ایک یونیورسٹی میں ساتھ ساتھ.... اور اس سے آگے کی معنی خیز مسکراہٹیں' اور آنکھوں کی چمک.. فارس کی طبیعت کو یہ گوارا نہ تھا۔ بہت سالوں کی ریاضت کے بعد' کتنے اسباق سیکھ کر اور کتنی اذیت کاٹ کر وہ وارث اور ندرت ایک خاندان بنے تھے۔ وہ بالآخر ان کے خاندان میں' دوسری بیوی کا بیٹا' نہیں' بلکہ ندرت اور وارث کا بھائی سمجھا جانے لگا تھا' وہ اس عزت پہ حرف بھی نہیں آنے دینا چاہتا تھا۔

سو اس نے تاخیر کی' اور پھر وہ تاخیر کرتا گیا۔ یونیورسٹی چھوڑنے کے کچھ عرصے بعد وہ عزت سے اس کے لئے رشتہ بھجوا دے گا۔ منگنی' شادی'

Nemrah Ahmed: Official

اپنے شہر میں پوسٹنگ' متوقع ترقی' اچھی جاب' بچے.....فارس غازی کی زندگی کی ساری ترجیحات اس کے ساتھ تھیں۔

بہت ہی صفائی اور سلیقے سے آراستہ اور مرتب شدہ!

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

دشت میں پیاس بجھاتے ہوئے مرجاتے ہیں

ہم پرندے کہیں جاتے ہوئے مرجاتے ہیں

شیشوں سے ڈھکی عمارت کے اندر سورج کی نرم گرم کرنیں گر رہی تھیں۔سیکرٹری حلیمہ اپنے ڈیسک کے پیچھے کھڑی ہاشم سے بات کر رہی تھی' جو فون پہ بٹن دباتا' ذرا دیر کو اس کی بات سننے کے لیے رکا تھا۔

''سر آپ ٹھیک ہیں؟'' حلیمہ نے رک کر پوچھا تو ہاشم نے نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا۔گرے سوٹ اور گرے ویسٹ میں ملبوس' بال پیچھے کو جیل سے بنائے' وہ ہمیشہ کی طرح ہینڈسم لگ رہا تھا' مگر اس کی آنکھیں بے خوابی کا شکار لگتی تھیں۔

''تھینک یو حلیمہ' میں ذرا اوور ورکڈ ہوں۔'' پھر ٹھہر کر پوچھا۔''خاور کا کچھ پتہ چلا؟''

''نہیں سر۔اس کی وہی ای میل آئی تھی مجھے۔کہ کچھ دن کے لئے وہ روپوش ہو رہا ہے۔پولیس اس کے پیچھے ہے۔اس کے بیٹے کو بھی اس کا یہی میسج ملا ہے' وہ بھی مجھ سے کئی بار پوچھ چکا ہے۔آپ کو کچھ نہیں بتایا؟''

''نہیں' مجھے اس نے کچھ نہیں بتایا۔'' ہاشم نے افسوس بھری لاعلمی سے شانے اچکائے اور اندر کی طرف بڑھ گیا۔

رئیس اس کا منتظر تھا۔دروازہ بند کرتے ہی وہ اس کے سامنے آیا۔ہاشم نے کرسی پہ بیٹھتے ہوئے اس پہ ایک سنجیدہ نظر ڈالی۔

''پراگریس؟''

''سر ہر طرح کی ٹارچر تکنیک استعمال کر چکے ہیں' وہ نہیں اعتراف کرتا۔بہت سخت جان ہے!''

''میں جانتا ہوں!'' ہاشم نے لیپ ٹاپ کھولتے ہوئے سر کو خم دیا۔''اس کو کڑی نگرانی میں رکھو اور مزید کوشش کرو۔مجھے اس شخص کا نام چاہیے جس کے کہنے پہ اس نے میرے باپ کو مارا ہے' یا اگر وہ اکیلا کام کر رہا تھا تو مجھے اس کا motive سننا ہے۔بغیر وجہ کے کوئی قتل نہیں کرتا۔ اب جاؤ!'' ابرو سے اشارہ کیا اور پھر انہی تنے تاثرات کے ساتھ اسکرین کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''سر فارس غازی کا دو دفعہ پیغام آیا ہے' وہ آپ سے.....''

''ہاں مجھے یاد ہے۔اگلے ہفتے میں جاؤں گا اس سے ملنے۔'' مصروفیت اور قدرے بےزاری سے کہہ کر وہ کام کرنے لگا۔رئیس سر ہلا کر مڑ گیا۔

اور ہزاروں میل دور...سمندر کنارے بنے ہوٹل کے تہہ خانے میں مستعد گارڈز اسی طرح اپنی جگہوں پہ کھڑے تھے۔پتھر جیسے چہرے بنائے' چاق و چوبند اور الرٹ۔تبھی سعدی کے کمرے کا دروازہ کھلا اور وہ باہر نکلتا دکھائی دیا۔اس کے ہاتھ میں چائے کا خالی مگ تھا جو اس

#NAO www.facebook.com/nemrah.ahmed.official

Nemrah Ahmed: Official

نے باہر میز پہ دھرا' پھر سنجیدہ چہرے کے ساتھ گارڈز کی طرف آیا۔

"مجھے اس سے ملنا ہے۔" یہ اجازت اسے چند دن پہلے سے ہی ملنے لگی تھی' سو گارڈ سر ہلا کر اسے راہداری میں آگے لے آیا۔ ایک دوسرے کمرے کا لکڑی کا دروازہ کو ڈ دبا کر کھولا تو سعدی نے اندر قدم رکھا۔ پیروں میں نرم سلیپر' اوپر جینز پہ ہلکی جرسی شرٹ پہنے وہ تندرست اور توانا لگتا تھا' اس کے برعکس دوسرے قیدی کا حال مختلف تھا۔

اس کے ہاتھ اور پیر جڑی ہتھکڑیوں سے بندھے تھے' جن سے لٹکتی زنجیریں دیوار میں نصب تھیں۔ زمین پہ بیٹھا' دیوار سے ٹیک لگائے' وہ آنکھیں موندے ہوئے تھا۔ چہرے اور گردن پہ زخموں کے نشان' اور پرانے کپڑوں پہ لگے کٹ اور خون کے دھبے۔ بند آنکھوں کے گرد نظر آتے نیل۔ سعدی نے بالکل بے تاثر نگاہوں سے اس کا چہرہ دیکھا تھا۔

"ہیلو خاور!"

خاور نے نیل نیل آنکھیں کھولیں۔ اس کی شیو بڑھی ہوئی تھی اور ہونٹ پہ بھی خون جما تھا۔ آنکھوں میں برہمی اور چبھن لئے اس نے سعدی کو دیکھا۔

"کیا دیکھنے آئے ہو؟ یہی کہ میں زندہ ہوں یا نہیں؟" پھر ہلکا سا مسکرایا اور نفی میں سر ہلایا۔ "میں اتنی آسانی سے مرنے والا نہیں ہوں بچے۔ تمہیں کیا لگتا ہے' تم میرے اوپر الزام لگا کر ہاشم کو مجھ سے بدظن کر دو گے؟ ایسا کبھی نہیں ہوگا۔"

پھر اٹھا۔ درد کی ٹیسیں اٹھیں مگر ضبط کر کے وہ سیدھا سعدی کے سامنے کھڑا ہوا۔

"میں تمہاری ساری گیم سمجھ گیا ہوں۔ پہلے دن سے سمجھ گیا تھا۔ تم ہاشم اور مجھے توڑنا چاہتے ہو' چاہتے ہو میں قید میں مر جاؤں اور تم ہاشم کو تنہا کر کے مارو۔ ڈیوائیڈ اینڈ رول! ہے نا؟"

سعدی ہلکا سا مسکرایا۔ بولا کچھ نہیں۔ اس کی گردن پہ سرخ خراش کا مندمل نشان اب بھی موجود تھا۔ کوئی چار روز قبل اسے پہلی دفعہ خاور سے ملاقات کی اجازت ملی تھی تو خاور نے اپنی زنجیر کو اس کی گردن میں لپیٹ کر اسے مارنے کی کوشش کی تھی جسے بروقت گارڈز نے ناکام بنا دیا تھا۔ وہ اس کو دیکھتے ہی بکنے جھکنے لگتا تھا۔ آج جیسے اونچا بولنے سے وہ اکتا چکا تھا سو آواز نارمل رکھی تھی۔

"کہا تھا میں نے ہاشم کو۔ سعدی یوسف فرشتہ نہیں ہے۔ کہاں گیا تمہارا اسلام' تمہارا دین جب تم مجھ پہ ناکردہ گناہ کا الزام لگا رہے تھے؟" حقارت سے اسے دیکھا۔

سعدی ہلکا سا ہنسا پھر سر جھٹکا۔

"ہیرا ہیرے کو کاٹتا ہے' کارداراز کو کاٹنے کے لئے کاردار جیسا بننا پڑتا ہے' ان جیسا سوچنا پڑتا ہے۔ چار سال..." انگوٹھا اندر کر کے چار انگلیاں اس کو دکھائیں۔ "چار سال میں نے قانون' وکیلوں' عدالتوں کے ساتھ تعاون کر کے انصاف حاصل کرنے کی کوشش کی ہے مگر نہ میں فارس غازی کو قانونی طریقے سے نکال سکا' نہ وہ مجھے نکال سکے گا۔ سو جو قانون انصاف نہیں دے سکتا' وہ ہاتھ نہیں کاٹ سکتا۔ اس لئے بہت

#NAO
www.facebook.com/nemrah.ahmed.official

سادہ طریقہ ہے انتقام لینے کا' ہاشم کو تمہارے خلاف بھڑکا کر تمہیں اسی کے ہاتھوں سے مروا دوں۔'' وہ سانس لینے کو رکا۔ خاور اسی طرح غصے اور نفرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''مگر میں یہ سب انتقام کے لئے نہیں کر رہا۔ اس لئے تمہیں مروانے کا کوئی فائدہ نہیں۔'' خاور کے ابرو بھینچے' وہ ذرا چونکا تھا۔

''میں تمہیں نہیں مروانے لگا کرنل خاور۔ میں صرف تمہیں سولی چڑھا رہا ہوں' کیونکہ تم میری آزادی کا پروانہ ہو۔''

''ایک منٹ تم...''

''نہیں' میں تمہیں ہاشم کے خلاف بھی نہیں استعمال کرنے لگا' میں نے صرف تمہیں سولی چڑھانا تھا' تمہاری گردن کاٹنا ہاشم کا کام ہے' مگر مجھے معلوم تھا کہ وہ ایسا نہیں کرے گا' کیونکہ اسے کبھی یقین نہیں آئے گا کہ تم اس کے باپ کے قاتل ہو۔''

خاور آنکھیں سکیڑے تعجب اور ناگواری سے اسے گھورتے قریب آیا۔ سعدی سے دو قدم دور اس کی زنجیر کس گئی۔ وہ اس سے آگے نہیں بڑھ سکتا تھا۔

''تمہیں لگتا ہے ہاشم تمہیں قاتل سمجھتا ہے؟ اونہوں۔'' لڑکے نے مسکراتے ہوئے نفی میں گردن ہلائی۔

''وہ شک میں ہے۔ اسے صرف ایک چیز تمہارے قاتل ہونے کا یقین دلا سکتی ہے اور وہ ہے تمہارا اقبالِ جرم!''

''جو میں کبھی نہیں کروں گا۔''

''مگر تمہارے اقبالِ جرم نہ کرنے سے وہ تمہاری بے گناہی مان نہیں لے گا۔ میں نے کہا نا' وہ شک میں ہے' اگر یقین ہوتا اسے تو وہ تمہیں اب تک مار چکا ہوتا۔ صرف ایک چیز اس کو تمہاری بے گناہی کا یقین دلا سکتی ہے' اور وہ ہے... میرا اقبالِ جرم! کہ میں نے تم پہ الزام لگایا۔''

''تمہارے بار بار بیان بدلنے سے تمہاری کریڈیبلٹی ختم ہو جائے گی۔''

''جب میں اسے اصل قاتل کا نام بتاؤں گا تو تم بری ہو جاؤ گے۔ میں نے تمہیں صرف سولی پہ چڑھانا تھا' سزائے موت نہیں دینی۔ مجھے معلوم تھا ہاشم تمہیں مارے گا نہیں بلکہ تمہیں اپنی بہترین جیل میں قید کر دے گا۔ یوں تم میرے پاس آجاؤ گے۔ تم میری آزادی ہو خاور۔ میں نے اتنے مہینے سوچا کہ مجھے یہاں سے کون نکالے گا۔ فارس' زمر' میری بہن' کوئی دوست... مگر نہیں۔'' مسکرا کر کہتا دو قدم قریب آیا اور انگلی سے خاور کے سینے پہ دستک دی۔ ''مجھے یہاں سے تم نکالو گے۔ اور میں تمہارے حق میں گواہی دے دوں گا۔ ہم دونوں آزاد ہو جائیں گے۔'' خاور نے سختی سے اس کا ہاتھ جھٹکا۔

''او ور مائی ڈیڈ باڈی سعدی یوسف!'' وہ اس کو گھورتے چبا چبا کر بولا۔ ''اگر مجھے آزاد ہونا ہوتا تو پہلے دن ہی ہو جاتا۔ یہ جیل میں نے بنائی تھی' اس کے ہر راز سے میں واقف ہوں' مگر مجھے اپنے مالک سے بھاگنا نہیں ہے' مجھے اس کے پاس واپس جانا ہے۔ میں اور تم... کبھی ساتھ کام نہیں کریں گے۔ رہے تم... تو تم اپنی معصومیت کھوتے جا رہے ہو۔ تم بھی وہی بنتے جا رہے ہو جن سے تم نفرت کرتے تھے۔''

''میری آفر محدود مدت کے لئے ہے۔'' ایک استہزائیہ نظر خاور پہ ڈال کر وہ مڑ گیا۔ دروازہ کھٹکھٹانے پہ گارڈ کی صورت نظر آئی تو خاور بے

اختیار چلانے لگا۔

"مجھے ہاشم کاردار سے بات کرنی ہے۔ میری ان سے بات کرواؤ۔ کیا تم نے سنا نہیں میں کیا کہہ رہا ہوں۔" سعدی باہر نکل آیا اور گونگے بہرے بنے گارڈ نے دروازہ مقفل کر دیا۔ زنجیروں میں کھڑا شخص اسی طرح چلائے جا رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کس طرح لوگ اٹھ کر چلے جاتے ہیں چپ چاپ

ہم تو یہ دھیان میں لاتے ہوئے مر جاتے ہیں

کورٹ روم میں ٹھنڈ اور خنکی آج بھی موجود تھی۔ ڈریس پینٹ اور کوٹ میں ملبوس احمر شفیع نے آہستہ سے دروازہ کھولا تو اندر سب کو خاموشی سے کٹہرے میں کھڑے شخص کا بیان سنتے پایا۔ وہ دبے قدموں چلتا آیا اور زمر کے ساتھ بیٹھے فارس کے دائیں جانب آ بیٹھا۔ "سوری مجھے دیر ہو گئی۔" معذرت خواہانہ مسکراہٹ کے ساتھ فارس کے قریب سرگوشی کی۔

فارس غازی کٹہرے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ سفید شلوار قمیض کے اوپر براؤن کوٹ پہنے وہ سنجیدہ اور سپاٹ نظر آ رہا تھا۔ آواز پہ گردن موڑ کر ایک گہری نظر احمر پہ ڈالی۔

"اچھا، مجھے لگا تم عجلت میں ہو۔"

احمر نے بیٹھتے ہوئے چونک کر اسے دیکھا۔ "کیا مطلب؟"

فارس نے نگاہ اس کے پورے وجود پہ ڈالی۔ "سلک شرٹ، ڈیزائنر واچ، بدلا ہوا سیل فون، اتنی جلدی اتنا کچھ احمر؟"

"میں ترقی کر رہا ہوں۔ کیا تمہیں خوشی نہیں ہوئی؟" اسے تعجب ہوا تھا۔

"تم کاردارز کے پاس کام کرنے لگے ہو، وہ میرے رشتے دار ہیں، میں ان کو جانتا ہوں، اسی لئے کتنے ہفتے سے تمہیں نصیحت کر رہا ہوں کہ ان کے سرکل سے نکل آؤ، ورنہ وہ تمہیں اپنے جیسا بنا لیں گے۔"

احمر کے چہرے پہ ناگواری بھری بے بسی ابھری، وہ جواباً کچھ کہنا چاہتا تھا۔ مگر زمر نے "شش" کہہ کر ٹوکا تو وہ دونوں خاموش ہو گئے۔

فارس سنجیدگی اور احمر ناخوشی سے سامنے دیکھنے لگا، جہاں پراسیکیوٹر، ناظم سے سوال کر رہا تھا۔

"28 اور 29 اگست کی درمیانی شب کیا ہوا تھا، عدالت کو مطلع کیجیے۔"

"میں کار لے کر اس فیکٹری تک پہنچا جہاں غازی نے مجھے آنے کے لئے کہا تھا۔ وہ فیکٹری خالی، ویران اور عرصے سے بند پڑی ہے۔ میں نے کار باہر روکی ہی تھی کہ اندر سے گولی چلنے کی آواز آئی۔ میں بھاگ کر اندر آیا تو دیکھا کہ قمر الدین اسی کرسی پہ بندھا پڑا ہے جیسا صبح میں اس کو چھوڑ کر گیا تھا اور سامنے فارس غازی کھڑا ہے، اس نے پستول اس پہ تان رکھا ہے۔ قمر الدین کی گردن ایک طرف لڑھکی ہوئی تھی اور غازی نے اسے کنپٹی میں گولی ماری تھی۔ میں نے اس سے پوچھا کہ تم نے اسے کیوں مارا؟ مارنا تو پلان میں شامل نہیں تھا، تو اس نے کہا کہ

اس نے مجھے نازیبا باتیں کہی تھیں جن پہ مجھے غصہ آ گیا اور میں نے اسے پھڑکا دیا۔ میں نے پوچھا کیسی باتیں؟ تو اس نے نہیں بتایا۔ پھر ہم سوچتے رہے کہ لاش کو کیسے ٹھکانے لگائیں۔ اس نے کہا کہ مقتول کے گھر پھینک آتے ہیں' میں ڈر گیا' مگر اس نے مجھے راضی کر لیا اور مجھے وہاں انتظار کرنے کو کہا۔ پھر وہ چلا گیا اور دوپہر کو واپس آیا۔ پھر اس نے کہا کہ لاش کو کار میں ڈالو میں نے کہا میں اسے ہاتھ بھی نہیں لگاؤں گا۔ اس نے خود ہی لاش کو گھسیٹا اور گھسیٹتے ہوئے کار میں جا کر ڈالا۔ پھر ہم دونوں کار میں بیٹھ کر قمرالدین کے گھر گئے' لاش پھینکی' تب ایک شخص جو اس کا بہنوئی تھا' باہر کھڑا تھا۔''

''کیا وہ فون پہ بات کر رہا تھا؟'' پراسیکیوٹر نے کہتے ساتھ ایک نظر زمر پہ ڈالی۔

''نہیں' اس کے ہاتھ میں فون تھا مگر وہ فون پہ بات نہیں کر رہا تھا۔'' زمر خاموش رہی۔

''اچھا' یہ بتاؤ' تم فارس غازی اور مقتول کی جیل کی دشمنی کے بارے میں کیا جانتے ہو؟''

''میں قمرالدین کے رہا ہونے کے سال بعد آیا تھا جیل میں' مگر میں نے وہاں پہ اپنے ساتھیوں سے سنا تھا کہ....''

''آبجیکشن یور آنر!'' زمر نے بیٹھے بیٹھے قلم انگلیوں میں گھماتے آواز بلند کی۔ "heresay"

''یور آنر فارس غازی اور قمرالدین کی دشمنی کے بارے میں کورٹ کو بتانا ضروری ہے' تاکہ پوری تصویر واضح ہو سکے۔'' پراسیکیوٹر جلدی سے بولا تھا۔

''مگر یور آنر یہ heresay ہے۔ اس نے کہا' اس سے سنا۔ آپ heresay کی ٹرائل میں اجازت نہیں دے سکتے۔ جو ناظم صاحب ابھی کہیں گے' وہ گواہی نہیں ہے' ثبوت نہیں ہے' بلکہ سنی سنائی بات ہے' وہ صرف تب کہی جا سکتی ہے جب استغاثہ عدالت میں ان ساتھیوں کو پیش کرے جنہوں نے ناظم سے یہ بات کہی ہے' مگر چونکہ ایسا کوئی شخص استغاثہ کے گواہوں کی فہرست میں شامل نہیں ہے' سو یہ سوال یا اس کا جواب.... کسی کی بھی اجازت نہیں دی جا سکتی۔''

''مگر یور آنر!''

جج صاحب نے ہاتھ اٹھا کر پراسیکیوٹر کو روکا' پھر آنکھیں مسلتے ہوئے چند لمحوں کے لئے سوچا۔ پھر اثبات میں سر ہلایا۔ ''sustained''

پراسیکیوٹر نے صبر کا گھونٹ بھرا' چند ایک واجبی سوال پوچھے اور واپس آ بیٹھا۔ زمر قلم رکھ کر اٹھی اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی کٹہرے کے قریب آئی۔ ناظم خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔

''آپ کو انگریزی آتی ہے؟'' سنجیدگی سے سوال کیا۔ ناظم نے ایک نظر پیچھے بیٹھے پراسیکیوٹر کو دیکھا' اور پھر زمر کو۔ ''جی۔ تھوڑی بہت۔''

"Dying declaration" ۔ کیا ہوتا ہے؟ عدالت کو بتائیں گے؟''

''آ....'' اس نے تذبذب سے شانے اچکائے۔

''اوکے میں بتاتی ہوں Dying declaration نزعی بیان کو کہتے ہیں' جو کوئی شخص مرتے وقت دیتا ہے' اور...''

''آب جیکشن یور آنر۔ مسز زمر مدعے سے باہر جارہی ہیں۔'' پراسیکیوٹر جلدی سے کھڑا ہوا۔

''اوور رولڈ۔ ان کی پوری بات سننے میں کیا حرج ہے۔'' جج صاحب نے زمر کو ایک حوصلہ افزا نظر سے نوازا۔ وہ واپس ناظم کی طرف گھومی۔

''آپ نے کیا اس کیس کا نام سن رکھا ہے' اشرف پرویز بنام سلیم شاہد؟''

''جی!''

''اس کیس میں سلیم شاہد پہ الزام تھا کہ اس نے ایک شخص کو سڑک پہ چھرا مار کر قتل کیا ہے' اور مقتول نے مرنے سے پہلے ایک راہگیر کو نزعی حالت میں بتایا تھا کہ اس کا قاتل سلیم شاہد ہے' اور یہ کہ اس نے خاندانی عداوت کی بنا پہ ایسا کیا ہے۔ اس راہگیر کا نام....'' میز سے ایک کاغذ اٹھا کر لائی اور ناظم کی طرف بڑھایا۔ ''مجھے پڑھ کر سنائیں۔''

ناظم نے ایک نظر کاغذ پہ ڈالی۔ ''ناظم فاروق ولد محمد فاروق۔''

''سو ناظم صاحب کیا آپ اس کیس میں بطور گواہ پیش ہوئے تھے' اور آپ نے مقتول کا Dying declaration عدالت کو سنایا تھا؟''

''جی ہاں۔''

''مگر عدالت نے ملزم سلیم شاہد کو بری کر دیا تھا۔ کیا آپ مجھے اسی کاغذ پہ ہائی لائٹ شدہ سطور اونچی آواز میں پڑھ کر سنائیں گے جس میں جسٹس نعیم الحق نے اس نزعی بیان پہ یقین نہ کرنے کی وجہ بیان کی ہے؟''

وہ انگریزی میں سطور پڑھنے لگا۔ سب خاموشی سے سننے لگے۔

''دورانِ جرح یہ ظاہر ہوتا ہے کہ PW5 ناظم فاروق نے چند باتوں میں غلط بیانی سے کام لیا ہے' اس کے علاوہ PW5 ناظم فاروق کی کریڈیبلٹی اور سابقہ ریکارڈ ایسا صاف شفاف اور شک وشبے سے پاک نہیں ہے' اس لئے ان کی بات پہ یقین نہیں کیا جا سکتا۔'' پڑھ کر وہ خاموش ہو گیا۔

''جو شخص ایک معاملے میں جھوٹ بول سکتا ہے' اس کی بات پہ کسی دوسرے معاملے میں یقین نہیں کیا جا سکتا۔ یہ الفاظ جسٹس محمد عامر ملک نے 1990 میں صابر بنام سرکار اپیل کیس کے دوران کہے تھے' اور ان الفاظ کی روشنی میں' کیا ہم آپ کی بات پہ یقین کریں' ناظم صاحب؟''

''یور آنر' مسز زمر ایک اور کیس کو اس کیس کے ساتھ ملا کر گواہ کی کریڈیبلٹی کو ٹھیس پہنچانے کی کوشش کر رہی ہیں۔'' اس نے پھر احتجاج کیا۔ زمر نے دونوں ہاتھ اٹھا دیے۔

''او کے فائن۔ مجھے گواہ کی کریڈیبلٹی کو چیک کرنے دیں۔'' دوبارہ سے ناظم کو دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے بات کا آغاز کیا۔

''آپ کتنی دفعہ جیل جا چکے ہیں؟'' (اس سوال پہ پراسیکیوٹر نے پھر سے پہلو بدلا تھا۔)

''دو دفعہ۔''

''کیا یہ درست ہے کہ آپ کے اوپر چوری اور اغوا برائے تاوان کے پانچ مقدمے مختلف اوقات میں قائم ہو چکے ہیں؟''

''جی۔'' وہ ڈھٹائی سے بولا۔ زمر نے جج صاحب کو ان الفاظ کو جذب کرنے کے لیے چند لمحے کا وقفہ دیا پھر بولی۔

''اس رات آپ جب فیکٹری پہنچے تو آپ نے گن فائر کب سنا؟''

''جب میں نے کار پارک کی۔''

''اور پھر آپ دوڑ کر اندر آئے' تو کیا دیکھا؟''

''یہی کہ فارس غازی نے گن مقتول پہ تانی ہوئی ہے۔ اور مقتول کی کنپٹی سے خون بہہ رہا ہے۔''

''کیا فارس غازی اس کو دوسری گولی مارنا چاہتا تھا؟''

''آبجیکشن یور آنر' کاؤنسلر گواہ سے اس کی رائے مانگ رہی ہیں۔'' وہ پھر پیچھے سے بولا۔ جج نے "sustained" بولا ہی تھا کہ زمر فوراً سے کہنے لگی۔

''اوکے' میں سوال کو rephrase کرتی ہوں۔ کیا آپ نے غازی کو دوسری گولی چلانے سے روکا؟''

''نہیں' وہ دوسری گولی نہیں چلا رہا تھا' اس نے مجھے دیکھ کر گن نیچے کر لی۔''

''اوکے!'' وہ وائٹ بورڈ کی طرف آئی' ایک جگہ انگلی رکھی۔ ''اس مقام پہ آپ نے کار پارک کی' اور اس مقام پہ فارس غازی نے آپ کے بقول گولی چلائی۔ میں چند روز پہلے اپنے بھتیجے کے ساتھ اس جگہ پہ گئی' اور اس نے مجھے پوائنٹ اے سے پوائنٹ بی تک بھاگ کر دکھایا۔ سو اس پارکنگ کی جگہ سے اس اندرونی کمرے تک بھاگ بھاگ کر بھی آتے اس کو ڈیڑھ منٹ لگا۔ آپ کو بھی اتنا ہی وقت لگنا چاہیے۔ مجھے صرف اتنا سمجھائیں کہ گولی چلانے کے بعد ڈیڑھ منٹ تک ایک آدمی' جس کا ارادہ بقول آپ کے دوسری گولی چلانے کا بھی نہیں تھا' وہ کیوں اپنے مقتول پہ پستول تانے رکھے گا۔ عموماً گولی چلانے کے بعد پستول جھٹکا کھاتا ہے' اور لوگ پستول والا ہاتھ نیچے گرا دیا کرتے ہیں۔''

''میں کیا کہہ سکتا ہوں' میں نے جو دیکھا وہ بتا دیا۔'' اس نے ڈھٹائی سے شانے اچکائے۔ زمر نے ایک نظر جج صاحب کے تاثرات پہ ڈالی' جو کاغذ پہ کچھ لکھ رہے تھے پھر دوبارہ ناظم کی طرف گھومی۔

''اچھا، مجھے ذرا ری فریش کرنے دیں۔ غازی مبینہ طور پہ لاش کو کس طرح کار تک لے کر آیا؟''

''گھسیٹ کر۔''

''فیس اپ یا فیس ڈاؤن؟''

''جی؟''

''لاش کا چہرہ اوپر تھا یا زمین کی طرف تھا؟''

Nemrah Ahmed: Official

''آ....اوپر تھا۔''

''جو راستہ آپ نے پولیس کو بتایا تھا' جہاں مقتول کے خون کے دھبے بھی ملے ہیں' وہ پتھریلا بھی ہے اور درمیان میں کافی گھاس بھی' جیسا کہ آپ ان تصاویر میں دیکھ سکتے ہیں۔''اس نے اپنی میز سے چند تصاویر اٹھا کر باری باری جج صاحب اور پھر نیچے پراسیکیوٹر کی میز پہ رکھیں۔

''اس لحاظ سے جب کسی شخص کو ایسی زمین پہ گھسیٹا جائے تو اس کی کمر پہ رگڑ کے نشان' یا کپڑوں کا پھٹنا' یا سبز مائل دھبے ہونا ناگزیر ہوتا ہے' مگر میڈیکولیگو رپورٹ کے مطابق مقتول کے جسم پہ ایسا کوئی نشان نہیں تھا۔''پراسیکیوٹر کھڑا ہونے لگا مگر وہ اونچی آواز میں بولے گئی''اور اس سے پہلے کہ پراسیکیوٹر صاحب اعتراض کریں' 1990 میں جسٹس عامر ملک نے سردار لطیف کھوسہ کے کلائنٹ صابر وغیرہ کی اپیل اس لئے منظور کی تھی کہ اگر اس نے مبینہ طور پہ لاش کو گھسیٹا تھا تو لاش پہ سبزی مائل دھبے یا رگڑ کے نشان کیوں نہیں تھے؟ اس ججمنٹ کی روشنی میں یہ ثابت ہوتا ہے کہ ناظم صاحب کے بیان میں جھول ہے۔اور لاش کو دو لوگوں نے اٹھا کر کار میں ڈالا تھا' اور وہ دو لوگ شریکِ جرم تھے۔''

''او کے اب کاؤنسلر testify کر رہی ہیں۔''زمر اسے نظر انداز کیے جج صاحب کے سامنے آ کر بولی۔

''یور آنر مجھے مزید کوئی سوال نہیں کرنا لیکن میں گواہ کو ری کراس کرنے کا حق محفوظ رکھنا چاہتی ہوں۔''(پراسیکیوٹر کے تاثرات بے چینی سے بگڑے)اور یور آنر اگر اس دوران ناظم صاحب جیل توڑ کر کسی دوسرے ملک فرار ہو گئے تو عدالت کو ان کی گواہی خارج کرنی ہو گی یا پراسیکیوٹر صاحب کو اس گواہ کو give up کرنا پڑے گا۔''اب وہ دونوں ایک ساتھ بولنے لگے تھے اور درمیان میں جج صاحب بھی ناخوشی سے کچھ کہے جا رہے تھے۔

فارس نے ایسے میں مڑ کر احمر کو دیکھا جو کسی سوچ میں گم لگتا تھا۔

''میں پھر کہہ رہا ہوں' کاردارز کی جاب چھوڑ دو۔خاور کے ہوتے ہوئے وہ کسی دوسرے کو اپنا رائٹ ہینڈ نہیں بنائیں گے۔''

''خاور نہیں ہے اب۔''وہ ہلکا سا بولا تو فارس نے ایک دم چونک کر اسے دیکھا۔

''کیوں کدھر گیا وہ؟''وہ تیزی سے سیدھا ہوا۔

''معلوم نہیں۔نوکری سے نکال دیا ہے اسے یا خود ہی کہیں روپوش ہو گیا ہے۔''احمر سامنے دیکھنے لگا۔فارس نے ہونٹ سکیڑ کر سانس خارج کی اور واپس پیچھے کو ہوا۔

''کچھ معلوم ہے کیوں؟ وہ تو ان کا قابلِ اعتبار آدمی تھا۔''سرسری سا پوچھا۔

''نو آئیڈیا۔''احمر نے شانے اچکائے۔ایک مسکراہٹ فارس کے لبوں پہ ابھر کر معدوم ہوئی۔اتنے دن بعد سکون کا سانس نصیب ہوا تھا اسے۔ایک نظر پراسیکیوٹر کی طرف دیکھا جو عدالت برخاست ہونے پہ اب موبائل پہ کوئی نمبر ملاتا تیزی سے باہر نکل رہا تھا۔

(کوشش کرتے رہو۔مگر تمہیں پیسے دینے والا فون نہیں اٹھائے گا۔)وہ جب اٹھا تو مسکرا رہا تھا۔(احمر کچھ کہے بنا باہر نکل گیا تھا۔)زمر نے اپنی چیزیں سمیٹتے چونک کر اسے مسکراتے دیکھا۔پھر آنکھیں سکیڑیں۔

''ایسا کیا ہوا ہے جو میں نہیں جانتی؟''

''ارے نہیں میں یہ سوچ رہا تھا کہ ناظم کی طرف سے پریشان نہ ہو وہ جیل سے نہیں بھاگے گا۔''

''تمہیں کیسے پتہ؟''

''میں دیکھ لوں گا اس معاملے کو۔''

''بالکل نہیں۔'' قلم اٹھا کر سختی سے تنبیہہ کی۔ ''تم کسی معاملے کو نہیں دیکھو گے۔ اور اگر تم نے کسی کو پھر جیل میں مارا پیٹا تو اچھا نہیں ہو گا۔''

''تم مجھ سے کیا چاہتی ہو؟'' صبر اور تحمل سے اس کے سامنے کھڑے اس نے پوچھا تھا۔

''اول، تم بالکل آرام اور سکون سے جیل میں رہو' کچھ نہ کرو' کچھ بھی نہیں۔ صرف ایک شریف آدمی بن کر رہو۔ اور دوم۔ تم مجھے آپ کہا کرو۔'' اسے گھور کر وہ پلٹی تھی کہ وہ اسی تابعداری سے بولا تھا۔

''جو تم کہو!'' زمر کے تو سر پہ لگی' تلووں پہ بجھی۔ ایڑھیوں پہ تیزی سے گھومی۔

''تمہیں پتہ ہے فارس اگر مجھ پہ ایک قتل معاف ہوتا تو کس کو گولی مارتی؟''

''مجھے پتہ ہے۔'' وہ مسکرا کر ہلکا سا اس کی طرف جھکا۔ ''تم خودکشی کرتی۔'' اور ایک طرف سے نکل کر سپاہیوں کی طرف بڑھ گیا جو اسے لینے آ رہے تھے۔

اُف۔ اس نے نکلس کر ڈھیروں غصہ اندر اتارا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ہم ہیں سوکھے ہوئے تالاب پہ بیٹھے ہنس
جو تعلق کو نبھاتے ہوئے مر جاتے ہیں

یہ شاید اگلی رات کا قصہ ہے۔ اندھیرے اور دھند میں ڈوبی انیکسی کی عمارت خاموش پڑی تھی۔ کچن میں دودھ ابلنے رکھا تھا' اور حنین چولہے کے آس پاس ٹہلتی موبائل اسکرین پہ انگلی پھیر رہی تھی۔ لمبا سویٹر پہنے' پیروں میں مختلف رنگ کی جرابیں جن سے انگوٹھے برہنہ ہو کر نکل رہے تھے' اور بالوں کو گول مول باندھے' وہ ایک بے ترتیب اور بھرے بھرے کچن کے اندر کھڑی تھی۔ سارے برتن دھلے تھے' مگر پھر بھی کچھ صاف نہ لگتا تھا۔ نجانے کیوں؟

اسکرین کو دیکھتے اس کی آنکھیں پھیلیں۔ انگوٹھے اور انگلی سے اس سطر کو زوم کر کے بڑا کیا۔ بار بار پڑھا۔ ''نوشیرواں کاردار اور علیشا ربیکا کاردار اب دوست ہیں؟'' فیس بک کی ایک پبلک سی اطلاع کو وہ بار بار پڑھ رہی تھی۔ ہاشم کی پروفائل وزٹ کرنا چھوڑ چکی تھی' مگر باقی کاردارز کو وہ کبھی کبھی دیکھ ہی لیتی تھی۔

''مگر یہ دونوں دوست کیسے بن گئے؟'' اس نے دانتوں کے درمیان انگلی دبا کر سوچا۔ اچنبھا سا اچنبھا تھا۔ دل میں کھد بد ہوئی۔

Nemrah Ahmed: Official

''آج ہی تو فیونا نے بتایا تھا کہ خاور اب یہاں جاب نہیں کرتا' یعنی اگر میں اس سپر ہیرو.... مطلب سپر لوزر کی پروفائل ہیک کروں تو کسی کو نہیں پتہ چلے گا۔'' آنکھیں چمکیں' اور اس سے پہلے کہ وہ ایکسائیٹڈ ہو کر لیپ ٹاپ اٹھانے بھاگتی.... سس کی آواز کے ساتھ..... دودھ ابل کر چولہے پہ جا گرا۔

''اللہ میرے!'' وہ دہل کر پلٹی اور جلدی سے چولہا بند کیا۔ ''پورے بیس منٹ میں ادھر کھڑی رہی' مگر نہیں' تب نہیں ابلنا تھا اسے' اور ایک منٹ کے لئے فون اٹھایا تو یہ گر گیا؟ میں کدھر جاؤں؟'' ڈوئی زور سے کاؤنٹر پہ پٹخ کر وہ رونے والی ہو رہی تھی۔ دفعتاً چوکھٹ میں زمر نمودار ہوئی۔ وہ اپنے لئے چائے بنانے آئی تھی شاید۔

''کیا ہوا؟'' اندر آتے تعجب سے اس کو دیکھ کر پوچھنے لگی۔

''حادثہ ہوا' قیامت ہوئی!'' وہ آنکھوں میں آنسو لئے غم اور غصے سے پلٹی۔

''میں.... میں حنین یوسف.... اب دس منٹ یہاں کھڑی ہو کر چولہا صاف کروں گی۔ اور پھر یہ فرش بھی۔ اس روز کتابیں لیں پڑھنے کے لئے' پینٹ خریدا تصویریں بنانے کے لئے' کہ آنکھ اور دل کو کیسے مصروف کروں مگر پڑھنے لگی تو فوکس نہیں ہوا۔ پینٹ کرنے لگی تو رنگ ہی ادھر ادھر بہنے لگے۔ اچھا ٹھیک ہے' نہ مجھے پڑھنے کا شوق ہے' نہ آرٹسٹک ہوں۔ مجھے تو انجینئر بننا تھا' وہ بھی نہ بن سکی۔ ایم اے بھی نہیں کیا میں نے۔ آپ بتائیں' کیا میں اتنی جینئس لڑکی اس قابل تھی کہ یوں گھر میں ضائع ہوں؟ مجھے تو کمپیوٹر ہیکر بننا تھا' آئی ٹی ایکسپرٹ' بڑے بڑے algorithms لکھنے تھے۔ مجھے تو نولن روس' Huck اور Felicity Smoak کی طرح انگلیاں کھٹ کھٹ کر کے کمپیوٹرز کی دنیا پہ حکمرانی کرنی تھی۔ اور کر کیا رہی ہوں میں؟'' دونوں ہاتھ ہلا ہلا کر غصے اور آنسو بھری آنکھوں کے ساتھ بولے جا رہی تھی۔ ''میں یہاں پہ برتن دھو رہی ہوں' چولہوں کی گرل مانجھ رہی ہوں' باتھ روم صاف کر رہی ہوں' فرش اسکرب کر رہی ہوں۔ جھاڑو اور ٹاٹ لگا رہی ہوں۔ ارے نوکرانیاں کرتی ہیں یہ کام' یا وہ پتی ورتا قسم کی بیویاں جن کے پاس دنیا کا کوئی دوسرا کام نہیں ہوتا' نہ ٹیلنٹ ہوتا ہے نہ ذہن ہوتا ہے' وہ کرتی ہیں ایسے کام۔ اور امی نے مجھے.... مجھے ان کاموں پہ لگا دیا ہے!'' وہ صدمے میں تھی۔ زمر تحمل سے سنتی رہی۔

''آئی ایم ڈن!'' دونوں ہاتھ اٹھا کر جیسے اعلان کیا۔ ''بہت بن چکی میں ماسی۔ نہیں کرنے مجھے فارغ عورتوں والے کام۔'' پیر پٹخ کر آنسو پونچھتی' وہ دھپ دھپ لاؤنج کی طرف بڑھ گئی' اور زمر' جس نے یہ ساری تقریر خاموشی سے سنی تھی' بس ہلکی سی سانس لے کر بولی۔ ''تو پھر اپنا واٹس ایپ اسٹیٹس بھی بدل دو۔''

بیسمنٹ کی طرف جاتی حنین رکی۔ مڑ کر بھیگی آنکھوں میں تعجب بھرے اسے دیکھا۔ ''کیوں؟''

''کیونکہ جو آیت تم نے لگا رکھی ہے' و اوحی ربک الی النحل' مجھے اس کا مطلب معلوم ہے۔'' وہ نرمی سے کہتی' آستین موڑے چائے کی کیتلی چولہے پہ رکھنے لگی۔

''آپ کیا کہنا چاہ رہی ہیں؟''

''یہی کہ.... سعدی کو اس آیت کے بارے میں بہت سے فلسفے آتے ہوں گے، مگر مجھے اس کا ایک ہی مطلب معلوم ہے۔ سادہ اور آسان سا مطلب کہ اللہ نے وحی کی شہد کی مکھی کی طرف، اور اسے کہا کہ وہ اپنا ''گھر'' بنائے..... اور..... وہ پھولوں پھلوں سے رس چوسے، یا آسان راستوں پہ چلے، وہ یہ سب اس لئے کرتی ہے تاکہ اپنے گھر واپس آسکے، اور اپنے گھر کو بیٹھے اور خوبصورت رنگوں سے بھر سکے۔ اور پھر اس ساری محنت کا جو نتیجہ نکلے گا، اس میں..... صرف اس میں شفا ہوگی..... تمہارے دل کی۔ کیونکہ دنیا کا سب سے زیادہ شفا بخش مشروب اس گھر میں بنتا ہے جو شہد کی مکھی کا گھر ہے۔ سب سے خوبصورت، سب سے زیادہ آرگنائزڈ۔ لیکن آف کورس.....'' اس نے شانے اچکائے۔

''یہ تو ماسیوں، کم ذہن ہاؤس وائفز والے فضول کام ہیں، سو تم اپنی شفا کتابوں اور پینٹنگز اور کمپیوٹرز میں ڈھونڈو..... ویسے بھی کل صداقت پلس فیملی آجائے گا واپس، سو... تم پریشان نہیں ہو اور جا کر سو جاؤ!'' کسی بھی ناراضی کے بغیر وہ اب مصروف سی دودھ کیتلی میں انڈیل رہی تھی۔

حنین ایک دم بالکل متحیر اور ساکت کھڑی رہ گئی۔

زمر اسے چھوڑ کر چائے بنا کر اوپر آئی۔ اسامہ ندرت والے کمرے میں ٹیب لئے بیٹھا کوئی گیم کھیل رہا تھا (اس کا چارجر صرف اس کمرے کے سوئچ میں چلتا تھا) سو وہ اب اکیلی، بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے، کمبل میں لپٹی، گھٹنوں پہ فائل رکھے، چائے کے گھونٹ بھر رہی تھی۔ کپ ابھی آدھا ہوا تھا کہ موبائل بجا۔ اس نے چونک کر دیکھا۔ غیر شناسا نمبر۔ کان سے لگا کر مصروف اور محتاط سا ''ہیلو؟'' کیا۔

''السلام وعلیکم مسز زمر!'' وہ مسکرا کر خوشگوار سے انداز میں بولا تھا تو زمر نے بے اختیار مگ سائیڈ پہ رکھا اور سیدھی ہوئی۔ بھوری آنکھوں میں حیرت ابھری۔

''ڈونٹ ٹیل می تم جیل توڑ کر فرار ہو گئے ہو۔ اور اگر نہیں تو سیل فون کہاں سے ملا؟''

''ڈونٹ ٹیل می کہ تمہیں نہیں پتہ یہاں کیا کیا مل جاتا ہے۔'' وہ رات کے اس پہر ایک تنہا پڑی کوٹھڑی میں سلاخوں پہ ایک ہاتھ رکھے کھڑا، دوسرے سے موبائل کان سے لگائے، مسکرا کر کہہ رہا تھا۔ قدرے فاصلے پہ محتاط سا پولیس اہلکار ادھر ادھر دیکھتا پہرہ دے رہا تھا۔

''اچھا، اور کیا مل جاتا ہے؟'' اس نے مسکرا کر فائل پرے رکھی اور ایک انگلی پہ عادتاً گھنگریالی لٹ لپیٹتے گویا ہوئی۔

''تم سن کر جیلس ہوگی۔''

''آہ، میرا اسٹینڈرڈ اتنا نہیں گرا کہ میں جیل میں خفیہ طور پہ لائی جانے والی لڑکیوں سے جیلس ہوں۔ ویسے کوئی خاص کام تھا کیا جو تم اپنی کسی دوست کو چھوڑ کر مجھے فون کر رہے ہو؟''

''استغفر اللہ۔ مذاق کر رہا تھا۔'' وہ خفا ہوا۔

''میں سیریس تھی!'' لٹ انگلی پہ لپیٹتے اس نے شانے اچکائے۔

''اچھا کام تو کوئی نہیں تھا۔ یونہی خیریت پوچھنا چاہ رہا تھا۔''

''ہم ٹھیک ہیں' مزے میں ہیں۔'' پھر وہ ذرا اداس ہوئی۔ ''سعدی نہیں ہے بس!''

وہ لمحے بھر کو خاموش ہوا۔ ''ایک زمانے میں' میں اسی طرح سعدی کو کال کیا کرتا تھا۔'' کچھ یاد کر کے اداسی سے مسکرایا۔

''تم ہمیشہ سے ایک دو نمبر انسان تھے۔''

وہ ہلکا سا ہنسا۔ زمر کچھ کہنے لگی مگر کھٹکا ہوا۔ وہ چونکی۔ کھڑکی کے باہر بالکونی کی بتی جل رہی تھی' وہاں کوئی سایہ سا تھا۔

''آ....'' وہ گردن اونچی کر کے دیکھنے لگی۔ فارس بھی ٹھہرا۔ ''کیا ہوا؟''

''بالکونی میں کوئی ہے۔'' وہ ذرا آگے کو ہوئی تو دیکھا' وہ ہاشم کا کتا تھا جو غالباً بالکونی کی بیرونی سیڑھیاں چڑھ کر وہاں آبیٹھا تھا۔ وہ پرسکون سی ہو کر واپس ٹیک لگاتی بتانے ہی لگی تھی کہ.....

''کیا مطلب؟ کون ہے باہر؟ تم اکیلی ہو؟ باقی سب کہاں ہیں؟'' وہ ایک دم اتنی تیزی اور پریشانی سے بولا تھا کہ زمر کہتے کہتے رک گئی۔ پھر اس کی آنکھیں چمکیں۔ مسکراہٹ دبائے ذرا دیر کو رکی۔ ''ہاں... میں اکیلی ہی ہوں... لیکن.... معلوم نہیں کون ہے۔ کوئی سایہ ہی ہے....''

''کدھر ہے؟ تمہیں وہ نظر آ رہا ہے؟ کھڑکی بند ہے؟''

''ہاں... اب نظر آ رہا ہے۔'' رک رک کر فکرمندی سے بتانے لگی۔ ''لمبا سا' سانولا سا۔ کلرڈ آنکھیں ہیں۔''

''کھڑکی بند ہے؟'' وہ تیزی سے بولا تھا۔

اس نے کھڑکی کی بند کنڈی کو دیکھا۔ ''نہیں تو۔'' اسی فکرمندی سے سر ہلایا۔

''رات کے اس وقت کھڑکیاں دروازے کھول کر بیٹھے ہو تم لوگ؟''

کتا اب شیشے پہ پنجے مارنے لگا تھا۔ وہ تنہائی کا شکار لگتا تھا۔

''فارس.... اب وہ کھڑکی پہ کچھ مار رہا ہے۔''

اور جیل میں قید فارس غازی کو ایک دم سر چکراتا محسوس ہوا تھا۔ غصہ' بے بسی۔ اس کا دماغ سنسنا اٹھا تھا۔ ''تم فوراً اس کمرے سے نکلو' اور نیچے اپنے ابو کے کمرے میں جاؤ۔ حنین' اسامہ کو بھی وہیں بلاؤ اور کمرہ لاک کر لو فوراً۔ پھر پولیس کو کال کرو' بلکہ میں ایک نمبر دیتا ہوں' ادھر کال کرو۔ اور ہاں.... دراز میں میری گن ہو گی' اسے نکالو۔ زمر تم میری بات سن رہی ہو۔'' وہ اتنا پریشان تھا اور وہ کچھ بول ہی نہیں رہی تھی۔

''میں نہیں باہر جا رہی' میں کوئی ڈرتی تھوڑی ہوں۔'' مسکراہٹ دبا کر آواز کو سنجیدہ رکھے بولی۔

''زمر میں کہہ رہا ہوں کمرے سے نکلو!'' وہ غصے سے بولا تھا۔ باہر کھڑے اہلکار نے اسے اشارہ کیا مگر اس وقت وہ کچھ اور نہیں سن پا رہا تھا۔ وہ اپنے خاندان کو کاردارز کے اتنا قریب چھوڑ آیا تھا.... وہ کیا کرے؟

''میں کیوں نکلوں؟ میں یہی سب کچھ ڈیزرو کرتی ہوں نا۔ تم نے کہا تھا نا اس رات ریسٹورانٹ میں..... کہ تم مجھے اس طرح دیکھنا چاہتے

ہو.... اور ....''

''میں لعنت بھیجتا ہوں اس رات پہ اور .....'' وہ دبا دبا سا چلایا تھا مگر اسی لمحے اسامہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا اور ایک دم حیرت سے بولا۔ ''پھپھو..... یہ ہاشم بھائی کا کتا۔ یہاں کیا کر رہا ہے؟''

زمر نے گڑبڑا کر اس کو دیکھا اور پھر فون کو۔ دوسری طرف وہ بولتے بولتے ایک دم چپ ہوا تھا۔ زمر نے (اُف) آنکھیں میچ لیں۔

''سیم کیا کہہ رہا ہے؟'' وہ ذرا رک کر بولا۔

''پپ.... پتہ نہیں....'' خفت سے بولی اور ساتھ ہی غصے اور خفگی سے اسامہ کو گھورا۔

فارس نے ایک طویل سانس کھینچی۔ تنے اعصاب ڈھیلے کیے۔

''باہر.... کتا ہے؟ صرف کتا؟'' ٹھہر ٹھہر کر پوچھا۔

''مجھے نہیں پتہ۔ اسامہ!'' فون غصے سے اس کی طرف بڑھایا۔ ''ماموں کا فون ہے۔ بات کرو۔''

''ہیں سچی؟'' وہ خوشی سے آگے بڑھا، پھر فون لیتے ہوئے زمر کے تاثرات دیکھ کر مسکراہٹ سمٹی۔ ''میں نے کیا کیا ہے؟''

وہ خفگی سے کچھ بڑبڑا کر کمبل تانے لیٹ گئی۔ اسامہ نے حیرت سے فون کان سے لگایا۔

''ماموں؟''

''ذرا اپنی پھپھو کو فون دو!'' اسے شدید تاؤ آیا تھا۔

اتنی آواز تو زمر کو بھی سنائی دی تھی، جبھی کروٹ لیے بولی۔ ''میں سو گئی ہوں۔''

''وہ کہہ رہی ہیں وہ سو گئی ہیں۔'' اس نے اطلاع دی پھر پر جوش سا بات کرنے لگا۔ ''آپ کیسے ہیں؟ ہم آپ کو بہت مس کرتے ہیں۔ حنہ.... حنہ....'' ساتھ ہی آواز دیتا ہوا نیچے بھاگا تھا۔

''اُف۔'' آنکھیں موندے وہ سخت خفا تھی۔

فون کس نے سنا، کب بند ہوا، کچھ معلوم نہیں۔ حنین اس کے ساتھ آ کر لیٹی تو اس نے آنکھوں سے بازو ہٹایا۔ حنہ اداسی سے بند فون اس کے ساتھ رکھ رہی تھی۔

''سوری، میں کچھ زیادہ ہی بول گئی۔'' وہ چت لیٹی آزردگی سے چھت کو دیکھتے کہہ رہی تھی۔ ''ایسے موقعوں پہ بھائی بہت یاد آتا ہے۔ اگر وہ ہوتا تو ایسے آسان لفظوں میں میرے ہر مسئلے کا حل بتا کر مجھے پر سکون کر دیتا۔ پتہ ہے.....'' ہلکا سا ہنسی۔ ''کبھی کبھی کہتا تھا حنہ کبھی مجھے بہت سا وقت ملے تو میں ایک کتاب لکھوں گا قرآن پہ۔ میں نے پوچھا تفسیر لکھو گے؟ کہتا، میں کیسے تفسیر لکھ سکتا ہوں؟ بہت تفاسیر موجود ہیں پہلے سے ہی۔ میں صرف قرآن پہ غور و فکر کر کے آیات سے ملنے والے اسباق کو لکھنا چاہوں گا، کہ میں نے اس آیت سے کیا سیکھا، کیا سمجھا۔ میں اسے ڈراتی تھی، کہ بھائی، فتوے لگ جائیں گے، لوگ کہیں گے آپ کو قرآن پہ کچھ لکھنے کی اجازت کس نے دی؟ اہلیت کیا ہے آپ

Nemrah Ahmed: Official

کی۔تو وہ ہنس کر کہتا،ان لوگوں سے کہنا حنہ، مجھے نہ ان کی اجازت کی ضرورت ہے، نہ مجھے ان کے فتووں سے فرق پڑتا ہے۔مجھے قرآن پہ غور وفکر کرنے کا حق اللہ نے دیا ہے، مجھے نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کی تاکید اللہ نے کی ہے۔کوئی پیر،کوئی عالم،کوئی پروفیسر مجھ سے یہ حق نہیں چھین سکتا۔ میں اہلِ قرآن ہوں۔ہم اللہ کا کنبہ ہیں۔ہم اللہ کے مددگار ہیں۔ہم تو بھئی ڈنکے کی چوٹ پہ قرآن عام لوگوں تک، عام ہاتھوں تک پھیلائیں گے عام اور سادہ زبان میں۔ہاں جس دن ہمارے اونچی دستاروں والے اور لمبے لمبے ناموں والے معزز علماء کرام، جس دن وہ گاڑھی اردو اور مشکل اصطلاحات میں بیان دینا اور کتابیں لکھنا چھوڑ دیں گے، اس دن میرے کچھ بھی لکھنے کی ضرورت نہیں رہے گی۔لیکن جب تک وہ قرآن کو عام نہیں کریں گے، میں تو ایسا کچھ ضرور لکھوں گا۔کیونکہ جس نے مجھے سکھایا ہے، مجھے اس علم کا حق ادا کرنا ہے نہیں تو میری پوچھ دوسروں سے زیادہ ہو گی۔"

"تم یہ سب کیوں کہہ رہی ہو؟"

"کیونکہ جب ہم چھوٹے تھے تو سنتے تھے، حافظِ قرآن کے والدین کے سر پہ قیامت کے دن سونے کا تاج پہنایا جائے گا۔بات یہ ہے زمر، کہ اس تاج کے لیے ہم اپنے بچوں کو قرآن تو یاد کروا دیتے ہیں مگر یہ بھول جاتے ہیں کہ یہ تاج بہت بھاری ہے۔"

"حنین...." اس کا دل دکھا، ایک دم اٹھنے لگی مگر حنہ نے کروٹ بدل لی۔

"ابھی مجھے کوئی بات نہیں کرنی۔مجھے فی الحال مدد کی ضرورت ہے، مگر نہ آپ سے، نہ بھائی سے، نہ ہی کتاب والے شیخ سے۔مجھے ان کی مدد چاہیے جنہوں نے میرے سر پہ یہ تاج رکھا تھا۔مجھے ان کو ڈھونڈنا ہے۔" کروٹ لیے، اس کی آواز نم ہو گئی۔زمر خاموشی سے واپس لیٹ گئی۔

اور دور...... سمندر پار..... کمرہ تجن میں زنجیروں میں جکڑے قیدی کے سامنے رئیس پنجوں کے بل بیٹھا چند تصاویر زمین پہ رکھ رہا تھا۔

"یہ تمہارا بیٹا ہے اور یہ تمہاری بیوی اور ماں۔ان کو خاور صرف ای میل کر کے ایک نامعلوم مقام پہ ایک نامعلوم گھر میں شفٹ ہونے کے لئے کہتا ہے اور کل وہ شفٹ ہو بھی گئے ہیں۔کوئی نہیں جانتا وہ کہاں ہیں سوائے ہاشم کاردار کے۔تم ان کی خیریت چاہتے ہو تو اعترافِ جرم کر لو ورنہ ہم سے اب کچھ بعید نہیں۔"

وہ کہہ رہا تھا اور خاور خاموش مگر سرخ انگارہ آنکھوں سے اسے گھور رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

میں جان بوجھ کر انجان بن رہا ہوں اگر

معاملات میں مجھ سے نہ ہوشیاری کر!

کمرہ ملاقات خالی تھا سوائے اس وجیہہ اور مصروف ملاقاتی کے جو میز کے پار بیٹھا ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بار بار کلائی پہ بندھی قیمتی گھڑی دیکھ رہا تھا۔پورے کمرے میں اس کے پرفیوم کی مہک رچ بس گئی تھی۔

Nemrah Ahmed Official

فارس غازی چوکھٹ پہ نمودار ہوا تو بے زار بیٹھے ہاشم نے نگاہیں اٹھائیں' پھر خود بھی کھڑا ہوا۔ مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ ''ہیلو فارس!''

''تمہارا شکریہ کہ تمہیں بالآخر میرا پیغام مل گیا۔'' وہ ازلی بے نیاز انداز میں کہتا اس سے ہاتھ ملا کر کرسی کھینچ کر بیٹھا۔ ہاشم بھی کوٹ کا بٹن کھولتے ہوئے سامنے بیٹھا۔

''ہاں' میں مصروف تھا۔ زمر سے تمہاری خیریت معلوم ہو جاتی تھی۔'' ذرا توقف کیا۔ ''سوری پہلے نہیں آ سکا!'' ہلکے سے ابرو اچکائے۔ فارس نے جواباً ناک سے مکھی اڑانے والے انداز میں ہاتھ ملایا۔

''میں نے خاور کو دو تین دفعہ پیغام بھجوایا تھا' کوئی دو ماہ پہلے' مسئلے کی نوعیت سے بھی آگاہ کیا تھا' کیا اس نے نہیں بتایا؟'' دونوں ہاتھ میز پہ رکھے' آگے ہو کر بیٹھتے' فارس نے سنجیدگی سے بات کا آغاز کیا۔

ہاشم اس کے برعکس ٹیک لگا کر' ایک بازو کرسی کی پشت پہ پھیلائے بیٹھا تھا' ہلکے سے کندھے اچکائے۔ ''اس نے بتایا تھا' میرے ہی ذہن سے نکل گیا۔ کچھ کیا بات تھی؟ کوئی فنانشل پرابلم......''

''اونہوں۔'' وہ رکا۔ پھر ہاشم کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے کہنے لگا۔ ''دو ماہ پہلے .....عدالت میں .....میرے پاس الیاس فاطمی آیا تھا۔''

''کون الیاس فاطمی؟'' ہاشم نے لاعلمی سے ابرو اٹھایا۔ البتہ فارس نے دیکھا' کرسی کی پشت پہ پھیلے اس کے ہاتھ کی انگلیاں اندر کو مڑیں۔ یعنی کہ وہ چونکا تھا مگر چہرے سے ظاہر نہیں تھا۔

''وارث کا باس۔ جس پہ مجھے شک تھا کہ اس نے وارث کو مروایا ہے۔''

''اوہ یس یس! فاطمی۔ نیب ڈائیریکٹر۔ آئی سی۔ تو کیا تمہاری اس سے بات ہوئی؟'' عام سے لہجے میں سوال کیا۔

''ہاں۔ کچھ دیر کے لئے۔ اس نے کہا کہ وہ میرے ساتھ تعاون کرنے کے لئے تیار ہے۔ کیونکہ اسے ڈر ہے کہ میں باری باری اپنے ہر دشمن سے انتقام لے رہا ہوں۔ سو وہ نہیں چاہتا کہ اس کی باری بھی آئے۔''

''اسے اچانک سے تم سے خوف کیوں محسوس ہونے لگا ہے؟''

''ہاشم!'' وہ قدرے قریب ہوا۔ ''میں تمہیں بالکل پسند نہیں کرتا' نہ تم مجھے پسند کرتے ہو' مگر چونکہ یہ بات اس کو معلوم ہو چکی ہے تو تمہیں بھی بتا دیتا ہوں۔'' اس نے گہری سانس لی۔ ''ڈاکٹر ایمن میری سائیکاٹرسٹ تھی' اس نے کورٹ میں میرے خلاف گواہی دی تھی۔ میں نے اس کا ہاسپٹل جلا دیا۔''

ہاشم نے ابرو اٹھایا اور کرسی کی پشت سے بازو ہٹا کر قدرے آگے کو ہوا۔ چہرے پہ حیرت بھری مسکراہٹ ابھری۔ ''ڈونٹ ٹیل می!''

''لیکن جسٹس سکندر کی ویڈیو میں نے لیک نہیں کی تھی۔ میرا اس سے کوئی جھگڑا نہیں ہے' اس نے مجھے بری کیا تھا۔ مگر فاطمی کا خیال ہے کہ

Nemrah Ahmed: Official

میں اس کے پیچھے بھی آؤں گا اس لئے وہ مجھ سے تعاون کرنا چاہتا تھا' تاکہ میں اس کو اور اس کے خاندان کو چھوڑ دوں۔''

''کیسا تعاون؟''

''اس نے کہا' وہ مجھے اس شخص کا نام بتانے کو تیار ہے جس کے ہاتھوں اس نے وارث غازی کا سودا کیا تھا۔''

''ڈیٹس گڈ۔تمہیں اس سے معلومات لینی چاہیے تھیں۔'' ہاشم نے خوشی کا اظہار کیا۔

''اس نے تمہارا نام لیا۔کہا کہ تم نے مروایا ہے وارث کو۔'' اسی بے نیازی سے ہاشم کو دیکھتے ہوئے بولا۔

ہاشم کی انگلیاں زور سے اندر کو مڑیں' مگر چہرے پہ تاثرات ویسے ہی رہے۔پہلے اس نے دونوں ابرو اٹھائے اور پھر ایک دم ہنس پڑا۔

''لائیک سیریسلی؟''

''رکو ابھی کہانی باقی ہے۔اس نے یہ بھی کہا کہ تم اور مسز جواہرات منی لانڈرنگ کرر ہے تھے۔پشاور میں کسی دہشت گرد گروپ کے لئے۔ کوئی میٹنگز وغیرہ تھیں' ان کا ریکارڈ وارث غازی کو مل گیا تھا۔''

ہاشم نے ہنستے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔''اوکے اوکے.....تو میں منی لانڈرر کے ساتھ قاتل بھی ہوں۔سو.....یہ گفتگو کس طرف جا رہی ہے؟ مطلب سیریسلی.....تمہیں یقین آ گیا؟'' فارس ایک دم بےزار ہوا۔

''اگر مجھے یقین آیا ہوتا تو کیا میں یہاں بیٹھا تمہیں یہ سب بتا رہا ہوتا؟''

''تو تمہیں یقین کیوں نہیں آیا؟ ہو سکتا ہے وہ سچ بول رہا ہو۔'' وہ مسکراتے ہوئے محظوظ لگ رہا تھا۔

''کیونکہ میں عرصے پہلے نیب کے وہ سارے ریفرنسز چیک کر چکا ہوں جو تمہارے خلاف دائر تھے' وہ سب کرپشن کیسز تھے اور مجھے یقین ہے تم ان سب میں ملوث ہو (ہاشم نے مسکرا کر اثبات میں سر کو خم دیا۔) مگر وہاں منی لانڈرنگ کا کوئی کیس نہیں تھا۔دوسری بات' وہ مجھ سے تعاون نہیں کرنا چاہتا تھا' وہ مجھے اپنے ہی خاندان سے لڑوا کر کمزور کرنا چاہتا ہے۔دیکھو میرے تمہارے بہت جھگڑے ہوں گے' مگر ہم ایک خاندان ہیں۔اس لئے تمہیں میری مدد کرنا ہو گی۔''

''شیور۔بتاؤ۔میں کیا کر سکتا ہوں؟'' وہ اب اپنائیت سے کہتا آگے کو ہوا۔

''الیاس فاطمی کا ایک بھائی ہے' وہ کسٹم میں ہوتا ہے۔مجھے لگتا ہے وہی وارث کا قاتل ہے۔بالواسطہ یا بلاواسطہ۔تم اس کو چیک کرو۔کیونکہ مجھے لگتا ہے فاطمی جانے سے پہلے اپنے بھائی کو بچانے کے لئے مجھے کسی دوسری طرف لگانا چاہتا ہے۔''

''جانے سے پہلے؟'' پہلی دفعہ ہاشم کے ابرو حقیقی حیرت سے بھنچے۔

''ہاں' اس نے کچھ کہا تھا جانے کے بارے میں۔وہ اپنی بیٹی کو یا شاید فیملی کو باہر سیٹل کر رہا ہے۔اسے دیکھ کر میرا خون اتنا ابل رہا تھا کہ اس کی آدھی بات میں نے دھیان سے سنی ہی نہیں۔'' سر جھٹک کر وہ جیسے پھر سے غصے میں آنے لگا تھا۔

''اوکے ریلیکس۔میں تحقیق کروانے کی کوشش کرتا ہوں' مگر مجھے یا تمہیں فاطمی جیسے لوگوں کے لئے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔

ان کے الزامات سے ہمیں کیا فرق پڑتا ہے؟" شانے اچکا کر وہ اسی طرح کی چند مزید نرم سی باتیں کر کے اٹھ کھڑا ہوا تھا البتہ جب وہ جانے کے لیے مڑا تو اس کی آنکھوں میں شدید سختی در آئی تھی اور انگلیاں زور سے اندر کو بھنچی ہوئی تھیں۔

اس کے جاتے ہی زمر اندر آئی تھی۔ حیران' متعجب' مشکوک۔

"آج تو تم سے ملاقات ناممکن ہو گئی تھی۔" اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے وہ شدید الجھن کا شکار تھی۔ "یہ ہاشم کیوں آیا تھا تم سے ملنے؟"

"میں نے بلایا تھا۔"

"کیوں؟ کیا بات کرنی تھی؟" زمر نے پتلیاں سکوڑ کر اسے دیکھا۔

"یہی کہ اس کا کتا بہت آوارہ ہوتا جا رہا ہے' اور وہ میری طرف..... ہماری طرف آ گیا تھا۔ اسے اتنا کہا ہے کہ اپنے کتے کا خیال رکھے۔"

زمر نے ڈھٹائی سے شانے اچکائے۔ "کتا ہی تھا' آ گیا تو کیا ہوا؟ اتنی سی بات کے لئے اسے کیوں بلایا؟"

"وہ ہلکا سا مسکرایا۔" کیونکہ اسے نہیں معلوم تھا کہ وہ ہماری طرف آیا ہے' مگر وہ اس کا پالتو کتا ہے زمر' وہ اسے جلد یا بدیر ضرور بتائے گا ہر بات۔ سو میں نے سوچا کہ میں پہلے بتا دوں۔"

زمر مشکوک نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔ "مجھے تمہاری بات پہ یقین کیوں نہیں آ رہا؟"

"اوہ کم آن!" وہ حیران ہوا۔ "تم نے خود ہی تو کہا تھا' کچھ نہ کرو' شریف بن کر رہو تو میں اس لئے آرام سے بیٹھا ہوں' کچھ بھی نہیں کر رہا۔" بہت ہی سادگی سے اپنے خالی ہاتھ دکھائے۔

Nemrah Ahmed: Official

زمر نے جھرجھری لے کر سر جھٹکا۔ وہ واقعی شرافت اور سادگی کے ساتھ آرام سے بیٹھا تھا۔ وہ واقعی کچھ نہیں کر رہا تھا۔ اس کو فارس پہ اعتبار کرنا چاہیے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جو ہو سکے تو محبت کی پاسداری کر

مرا جو رنگ ہے اس میں قبول کر مجھ کو

پرنم فضاؤں کی سرزمین پہ وہ تہہ خانے میں بنے کمرے خاموش تھے۔ سعدی یوسف اپنی اسٹڈی ٹیبل پہ بیٹھا' قرآن کھولے' ساتھ جرنل پہ قلم سے کچھ لکھے جا رہا تھا۔ اب وہ پڑھتے ہوئے ساتھ میں لکھتا بھی تھا۔ یہاں وقت ہی وقت تھا' فراغت ہی فراغت تھی۔

"میں پناہ مانگتا ہوں اللہ کی' دھتکارے ہوئے شیطان سے۔" تعوذ پڑھ کر اس نے مطلوبہ جگہ سے النمل کھولی اور گردن ترچھی کر کے بیٹھا' آیات صفحے پہ اتارنے لگا۔ سیاہ ٹی شرٹ میں ملبوس بیٹھا' وہ لکھتے ہوئے بالکل منہمک اور مصروف دکھائی دیتا تھا۔

"اور بے شک ہم نے بھیجا قوم ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو۔ کہ عبادت کرو اللہ کی۔ تو دفعتاً وہ دو فریق تھے جو باہم جھگڑ رہے تھے۔"

قلم لبوں میں دبائے' چند لمحوں کو اس نے سوچا' پھر تیز تیز قلم صفحے پہ چلانے لگا۔

''جب کوئی ہمارے پاس اللہ کی بات لے کر آتا ہے' تو مجھے یہ سمجھ نہیں آتا اللہ تعالیٰ کہ ہم اسی سے جھگڑنا کیوں شروع کر دیتے ہیں؟ ہم فوراً اس کا فرقہ' اس کا عقیدہ' اس کا خاندان' اس سب کو زیرِ بحث کیوں لے آتے ہیں؟ نہیں مانتی بات' نہ مانو۔ مگر ہم ایسی قوم کیوں بنتے جا رہے ہیں جو برائی پھیلانے والوں کو تو ٹی وی کے آگے جم کر بیٹھ کر دیکھتی ہے' مگر نیکی کا حکم دینے والوں پہ فوراً سے فتوے لگا دیتی ہے؟ اور مجھے یہ کبھی سمجھ نہیں آیا کہ قوم ثمود' قوم عاد اور قوم لوط...... بار بار ان کا ذکر کیوں آ جاتا ہے۔ تب مجھے احساس ہوا کہ میں ان کے ناموں اور ان پہ اترے عذابوں کو مکس اپ کر جاتا ہوں۔ یہ پورا قرآن پڑھ کر بھی مجھے یاد نہیں ہو پائے۔ ان کو یاد رکھنا بہت ضروری ہے۔''

لمحے بھر کو رک کر اس نے پھر سے وہی آیت پڑھی۔ ذہن میں آگہی کے کتنے ہی در کھلنے لگے۔ معانی منکشف ہونے لگے۔

''اللہ تعالیٰ آپ نے فرمایا' کہ ہم نے ثمود کی طرف 'ان کے بھائی' کو بھیجا۔ ثمود کے لوگوں کا بھائی صالح! یعنی اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کے پاس ان کے جیسے ہی کسی بندے کو بھیجتے ہیں۔ اس میں بھی انہی جیسی خوبیاں اور خامیاں ہوتی ہیں تاکہ لوگ اس سے relate کر سکیں' مگر نہیں' ہمیں تو مبلغ کے نام پہ فرشتہ چاہیے ہوتا ہے۔ پہلے زمانوں کے لوگ بھی یہی کہتے تھے' اللہ نے فرشتہ کیوں نہیں اتارا؟ اب بھی یہی کہتے ہیں۔ 'اس عالم' اس مبلغ میں فرشتوں والی خصوصیات کیوں نہیں ہیں؟'' پھر سر جھٹک کر اگلی آیت پڑھی۔

''کہا (صالح) نے' اے میری قوم' کیوں تم برائی کو بھلائی سے پہلے مانگنے میں جلدی کر رہے ہو؟ کیوں نہیں تم اللہ سے بخشش مانگتے تاکہ تم پہ رحم کیا جائے؟'' وہ ہلکا سا مسکرایا اور پھر اسی طرح لکھنے لگا۔

''اللہ تعالیٰ۔ مجھے اس آیت کو پڑھ کر ہمیشہ یہ لگا ہے کہ انسان اپنی دعاؤں سے پہچانا جاتا ہے۔ بے اختیاری میں منہ سے نکلی دعائیں اندر کی کشمکش کی عکاس ہوتی ہیں۔ اس زمانے میں لوگ فوراً قیامت مانگ لیتے تھے' کہ بھئی نازل کرو فرشتہ اور برابر کرو حساب۔ آج کل کے لوگ خود ہی جج مینٹل ہو کر سارے حساب کتاب پورے کر دیتے ہیں۔ مبلغ کو بھی کٹہرے میں لا کھڑا کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ خود ہی جج' جیوری' اور جلاد بن کر دین والوں کا فیصلہ سنا دیں۔ اطاعت نہ کرنے کے بھی کتنے بہانے ہیں انسانوں کے پاس!''

ذرا دیر کو قلم والا ہاتھ روکا۔ درمیانی انگلی کے اوپری پورے میں درد سا ہونے لگا تھا۔ writer's ache! لکھنا کتنا مشکل کام تھا! چند لمحے کے آرام کے بعد آگے پڑھنے لگا۔

''ان لوگوں نے کہا' ہم برا شگون لیتے ہیں تم سے اور ان سے جو تمہارے ساتھ ہیں۔ کہا (صالح نے) تمہارا شگون اللہ کے پاس ہے' بلکہ تم ایک گروہ ہو جو آزمائے جا رہے ہو۔''

''عربی کتنی دلچسپ زبان ہے اللہ تعالیٰ۔'' وہ مسکراتے ہوئے تیز تیز قلم چلا رہا تھا۔ ''شگون کے لئے طائر کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ طائر کہتے ہیں پرندے کو۔ اہلِ عرب پرندوں سے فال لیا کرتے تھے۔ سو ثمود والے صالح علیہ السلام کو یہ بتا رہے ہیں کہ ہمیں تو تم سے ''بری فیلنگ'' آتی ہے' اور تمہارے ساتھ والے مومنین سے بھی۔ یہ انسان کی ایک بہت بڑی آزمائش ہوتی ہے۔ جب آپ کو کسی کی بات نہیں ماننی' تو اس کو اور اس کے ساتھ موجود تمام ہم خیال لوگوں کو لیبل کر دو۔ ان کو کوئی بھی نام دے دو۔ سیکولر' ماڈرن قسم کے لوگ ایسے مبلغین کو

''قدامت پسند، دقیانوسی، شدت پسند'' کہتے ہیں۔ اور دین والے جن کی عادت ہوتی ہے دوسرے دین والوں کی ٹانگ کھینچنا، وہ ان کو ''کم علم، کم عقل، گناہگار، ناپاک'' اور ایسے ہر اس لقب سے پکارتے ہیں جن میں کہنے والے کی پاکیزگی کی نمائش ہو، اور بے چارے مبلغ کی تذلیل ہو۔ بہانے۔ سب بہانے ہیں۔ کہ بس کسی طرح حق بات ماننے سے بچ جاؤ۔ اس وقت ہم بھول جاتے ہیں کہ یہ تو محض ایک آزمائش ہے۔ ہم خدا نہیں ہیں، پھر خدا کی طرح لوگوں کو جج کیوں کرنے لگتے ہیں؟ ہم خود فرشتے نہیں ہیں، پھر فرشتوں کی طرح لوگوں کے گناہوں اور خامیوں کا حساب کتاب کیوں رکھتے ہیں؟''

سفید صفحہ دھیرے دھیرے سیاہ ہو رہا تھا۔ اسے لگا آج وہ تلخ باتیں سوچ رہا ہے۔ شاید اس لئے کہ وہ خود بھی تلخ ہوتا جا رہا تھا۔ خاور ٹھیک کہتا تھا۔ وہ اپنی معصومیت کھوتا جا رہا تھا۔

ادھر قرآن فرما رہا تھا۔ ''اور تھے شہر میں نو گروہ۔ وہ فساد کرتے تھے زمین میں اور نہیں کرتے تھے وہ اصلاح۔ کہا انہوں نے، کھاؤ قسم اللہ کی، البتہ ہم ضرور رات کو اس (صالح) اور اس کے گھر والوں پہ حملہ کریں گے، اور پھر بعد میں ہم اس کے سرپرست سے کہیں گے کہ نہیں تھے ہم موجود اس کے خاندان کی ہلاکت کے وقت (اس جگہ پہ) اور بے شک ہم ہی سچے ہیں۔''

''نو گروہ؟ سبحان اللہ۔'' وہ مسکرا کر لکھنے لگا۔ ''مکہ میں بھی نو بڑے قبائل تھے۔ اور اسی طرح انہوں نے بھی ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں چال چلی تھی، کہ رات کو ہم وہ ناپاک کام کر لیں گے اور صبح معصوم بن جائیں گے۔ آج کل کے مبلغین کے لیے بھی لوگ چالیں چلا کرتے ہیں، مگر لوگوں کو ایک بات یاد رکھنی چاہیے کہ ''فساد'' پھیلانے والے وہی ہوتے ہیں جو خود کسی کی اصلاح نہیں کر سکتے۔ خیر، دلچسپ بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ، کہ وہ بھی آپ کے نام کی قسم اٹھا رہے تھے۔ آج بھی لوگ آپ کا نام لے کر، جہاد کا نام لے کر، بے گناہ مسلمانوں اور بے گناہ غیر مسلموں کا قتل عام کرتے ہیں۔ اور دنیا بھر کا میڈیا کہتا ہے، یہ مسلمان ہیں۔ اگر اللہ کا نام لینے سے کوئی مسلمان ہو جاتا تو صالح علیہ السلام کے دشمن کیوں مسلمان نہ تھے؟ ایسے ہی نہیں ہو جاتا کوئی مسلمان۔ یہ نام مسلمان ہمارے باپ ابراہیم علیہ السلام نے رکھا تھا، اور اس کو 'پانے'' کے لئے بڑی جدوجہد کرنی پڑتی ہے۔ اللہ کے لئے لڑنے والے اور اللہ کا نام لے کر اپنے مذموم مقاصد کے لئے لڑنے والے برابر نہیں ہوتے۔''

لفظ سیاہ جگمگاتے ہیروں کی طرح دودھیا کاغذ پہ بکھرے تھے اور وہ دھیرے دھیرے گویا مزید نگینے پرو رہا تھا۔

''اور انہوں نے چلی ایک چال۔ اور ہم نے کی ایک تدبیر۔ اور وہ شعور نہیں رکھتے تھے، پس دیکھو کس طرح انجام ہوا ان کی چال کا۔ بے شک ہم نے تباہ کر کے رکھ دیا ان کو، اور ان کی قوم سب کے سب کو!''

''استغفر اللہ!'' اس نے جھرجھری لی اور پھر سے قلم کاغذ پہ رگڑنے لگا۔ ''اور انبیاء ایسے لوگوں کی چالوں سے نہیں ڈرا کرتے کیوں کہ وہ یہ جانتے ہیں کہ اللہ ہر اس چیز سے بڑا ہے، جس سے انسان خوف کھاتا ہے۔ جبریل علیہ السلام کی ایک چیخ آئی، اور پھر زلزلہ آیا۔ اور وہ ساری قوم تباہ ہو گئی۔'' لکھتے لکھتے اس نے قرآن کے جگمگاتے مگر اداس کر دینے والے حروف کو دیکھا۔ وہ کہہ رہے تھے۔

''تو یہ ہیں ان کے گھر.... خالی' گرے ہوئے' بوجہ اسکے جوانہوں نے ظلم کیا۔یقیناً اس میں ایک نشانی ہے اس قوم کے لئے جو علم رکھتی ہے۔ اور ہم نے نجات دی ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور جو (گناہوں سے) بچتے رہے۔''

سعدی نے چند لمحے کے لئے آنکھیں بند کیں۔ایک دم قلم خالی ہو گیا تھا۔وہ اسی طرح بند آنکھوں کے ساتھ لبوں سے بڑبڑانے لگا۔''وہ علاقے.... وہ تباہ حالی بستیاں آج بھی زمین پہ موجود ہیں.... ثمود اور عاد کے علاقے..... بالکل بنجر اور ویران۔ کتنی ہی دفعہ سائینسدان ان علاقوں کی مٹی اٹھا کر اپنی لیب میں لے کر آئے کہ ایسا کیا ہے اس مٹی میں جو یہ مردہ ہے' یہاں کوئی چیز نہیں اگتی؟ مگر ہوا کیا۔اس مٹی سے تابکاری شعاعیں نکلتی ہیں۔اس پہ تجربہ کرنے والے سائنسدان' لیب میں کام کرنے والے ملازم تک کینسر کا شکار ہو گئے۔جس بھی جگہ وہ مٹی رکھی جاتی' وہ اس جگہ کو گلانے اور جلانے لگتی تھی۔لوگ کہتے ہیں' وہ مٹی زہریلی ہے' میں کہتا ہوں' یہ گناہ تھے' جو انسان کو ہی نہیں اسکے خاندان' اسکے ملک حتیٰ کہ اس کی مٹی کو بھی تباہ کر دیتے ہیں۔مگر ہم لوگ عبرت نہیں پکڑتے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی لئے فرمایا کرتے تھے کہ ان علاقوں سے تیزی سے گزر جایا کرو' یا پھر روتے ہوئے گزرا کرو' مگر ہم لوگ..... ہم جاہل لوگ موئن جوڈارو اور ہڑپہ جا کر اسکول ٹرپ کے ساتھ پکنک مناتے ہیں! تباہ حال بستیوں اور کھنڈرات' چاہے ان کا ذکر قرآن میں ہو یا نہ ہو' ان پر سے ویسے گزرنا چاہیے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ان پہ تحقیق کرنا' ان کو اسٹڈی کرنا الگ بات ہے' مگر سیر اور پکنک کے لئے ان جگہوں پہ جانا..... مسلمانوں کو اندازہ ہی نہیں کہ وہ کتنے ہولناک کام کتنی آسانی سے کر جاتے ہیں۔''

اور جس وقت وہ ساری دنیا سے بے نیاز لکھے جا رہا تھا' اس سے سینکڑوں ہزاروں میل دور' اپنے آفس میں مرکزی سیٹ پہ بیٹھی جواہرات' مسکرا کر سامنے کھڑے حبشی صورت اور براق سفید دانتوں والے فصیح (ہارون عبید کے ملازمِ خاص) کو دیکھ رہی تھی جو ہاتھ باندھے کھڑا' اطلاع دے رہا تھا۔

''آپ کے کہنے پہ ہم نے سعدی یوسف کو کرنل خاور سے ملاقات کی اجازت دے دی ہے۔ہارون صاحب' میرے اور آپ کے درمیان ہی رہے گی یہ بات۔''

''گڈ!'' وہ پورے دل سے مسکرائی۔گھومنے والی کرسی کو ذرا سا گھمایا۔

''خاور کی زنجیریں کھول دو' اسے سعدی کے ساتھ گھلنے ملنے دو۔وہ دونوں ہمارے لئے بے کار ہیں' میرا بیٹا یہ بات نہیں سمجھ رہا' اسلئے اب وقت آ گیا ہے کہ ہم خود کوئی قدم اٹھائیں کیونکہ یہ میرا تجربہ کہتا ہے وہ دونوں فرار کا سوچ رہے ہوں گے۔''

''یس میم!'' اس نے سر کو خم دیا۔''ہم ان کی باتیں تو نہیں سن سکتے لیکن وہ یہی پلان کر رہے ہوں گے۔''

''مگر ہو سکتا ہے فصیح کہ کسی دن خاور' سعدی کو قتل کر دے اور پھر خودکشی کر لے۔''

فصیح کے ابرو تعجب سے بھنچے۔''مگر وہ ایسا کیوں کرے گا؟''

''تم کرو گے فصیح!'' وہ میز پہ دونوں ہاتھ رکھ کر اٹھی اور شیرنی جیسی سفاک آنکھوں سے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔''اور اتنی صفائی سے کرو

Nemrah Ahmed: Official

گے ایک رات یہ سب، کہ اگلی صبح ان دونوں کی لاشیں ملنے کے بعد تم یہ کہہ سکو گے کہ تم تو اس جگہ تھے ہی نہیں۔ میرے بیٹے کو خبر بھی نہیں ہو گی۔"

"یہ سب آپ لوگوں کو بہت پہلے کرنا چاہیے تھا، مگر ابھی بھی دیر نہیں ہوئی۔ میں ویسا ہی کروں گا جیسا آپ کہہ رہی ہیں!" پلکیں جھکا کر اٹھاتے ہوئے اس نے تائید کی۔

اس کے جانے کے بعد جواہرات نے کرسی کی پشت سے سر ٹکایا اور مسکراتے ہوئے چھت پہ لٹکتے، جھلملاتے فانوس کو دیکھا۔

زندگی ایک دم کتنی خوبصورت لگنے لگی تھی۔

اس کا بھاری سر ہر بوجھ سے آزاد تھا!

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(باقی آئندہ ماہ ان شاءاللہ)

Nemrah Ahmed: Official